ماہنامہ
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
HRCP

Registered No. CPL-13
(قیمت 10 روپے)
جلد نمبر 30 ...... شمارہ نمبر 01 ...... جنوری 2023

2022ء: بنیادی اِنسانی حقوق کے لیے ایک بُرا سال

کم عمری کی شادیاں: یکساں صوبائی قوانین کی ضرورت

زیادہ تر پاکستان میں شادی کی قانونی عمر 16 سال ہے سوائے سندھ کے، جہاں شادی کی قانونی عمر کو 18 سال تسلیم کیا جاتا ہے۔

شناختی کارڈز صرف اس وقت حاصل کیے جاسکتے ہیں جب کسی فرد کو قانونی طور پر 18 سال کی عمر میں بالغ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

لیکن شادی رجسٹرڈ کروانے کے لیے یہ لازمی نہیں ہے کہ دولہا اور دلہن کے شناختی کارڈز موجود ہوں، جس سے کم عمری کی شادیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جو اکثر زبردستی کی جاتی ہیں۔

بچوں کی شادی کی ممانعت کے ایکٹ 1929 میں نابالغ کو 'کسی بھی جنس کا فرد جس کی عمر 18 سال سے کم ہو' کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پنجاب، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومتوں کو شادیوں کی رجسٹریشن کے لیے شناختی کارڈز کو لازمی قرار دے کر اور 18 سال کو شادی کی قانونی عمر کے طور پر تسلیم کرکے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے۔

Funded by the European Union

ٹرانس جینڈر پرسنز (پروٹیکشن آف رائیٹس) ایکٹ 2018

Funded by the European Union

حقائق بمقابلہ مغالطہ

حقائق

- تمام بڑی سیاسی جماعتوں، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، ٹرانس جینڈر افراد سے متعلق وفاقی محتسب کی ٹاسک فورس، اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان، سول سوسائٹی گروپوں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ٹرانس جینڈر کمیونٹی سے متفقہ حمایت حاصل کی۔
- ٹرانس جینڈر لوگوں کی خود کی سمجھی جانے والی صنفی شناخت، تعلیم، صحت، روزگار، وراثت، عوامی مقامات تک رسائی اور سیاسی شرکت کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔
- ٹرانس جینڈر لوگوں کے خلاف امتیازی سلوک کی ممانعت کرتا ہے۔

مغالطہ

- مذہبی یا ثقافتی اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔
- غیر ملکی مفادات کا پرچار کرتا ہے۔
- نیشنل ڈیٹا بیس رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کے ذریعے کسی بھی شہری کو مرد سے عورت یا عورت سے مرد میں اپنی جنس تبدیل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

(حقیقت یہ ہے کہ ایکٹ کے 2021 کے قواعد میں واضح کیا گیا ہے کہ صرف ٹرانس جینڈر افراد کو اپنے شناختی کارڈ میں 'ایکس' کے طور پر اپنی جنس کی وضاحت کرنے کی اجازت ہوگی۔)

کسی ٹرانس جینڈر فرد کی خود کی شناخت کی درستگی کا تعین کرنے کے لیے طبی معائنے پر کوئی اصرار ان کے وقار کے حق کی خلاف ورزی ہے۔

سال 2022 اور ملک میں انسانی حقوق کی صورت حال

حنا جیلانی، چیئر پرسن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ سال 2022 انسانی حقوق کے حوالے سے اطمینان بخش سال قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس برس بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی کارروائیاں عام دیکھی گئیں جبکہ ان خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لیے ضروری اقدامات خال خال ہی نظر آئے۔

2022 کا سال حقوق کی دیگر خلاف ورزیوں کے ساتھ ساتھ ملک میں سیاسی محاذ آرائی اور معاشی عدم استحکام کے حوالے سے بھی یاد رکھا جائے گا۔ مختلف سیاسی قوتوں کو اپنے مسائل مذاکرات اور طے شدہ دستوری روایات کے مطابق حل کرنے چاہییں۔ سرکار و حزب اختلاف، دونوں کو ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ یہ طرزِ عمل نہ صرف پاکستان کی جمہوریت کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ لوگوں کے بنیادی حقوق اور آزادیوں کے لیے بھی مہلک ثابت ہوگا۔ یہ رجحان جمہوریت، پارلیمان کی بالادستی اور دستور پسندی کے لیے مفید نہیں۔ بالکل اسی طرح، عدم استحکام، آسمان کو چھوتی مہنگائی اور خوراک کا عدم تحفظ جو کہ غریب اور متوسط طبقے پر شدید اثر انداز ہو رہا ہے، بھی تشویش کا سبب ہے۔ ہم ملک کو درپیش اہم مسائل پر غیر جانبدارانہ اتفاق رائے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

گذشتہ برس کے سیلاب نے ملک میں جس بڑے پیمانے پر تباہی مچائی اس کی مثال ملنا محال ہے۔ حکام سیلاب میں اپنے گھروں اور ذرائع روزگار سے محروم ہونے والے لاکھوں افراد کی آبادکاری کے لیے اپنی کوششوں میں تیزی لائیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ تباہی کا پیمانہ غیر معمولی ہے، لیکن بے گھر ہونے والوں کے لیے گھروں کی تعمیر، اور ان کے لیے ذرائع معاش کا بندوبست ایسے معاملات ہیں جنہیں مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور گھروں کی تعمیر ایسی کی جائے جو موسمیاتی تبدیلی کے اثرات کا مقابلہ کر سکے۔

سال 2022 کے دوران ہمارے مشاہدے میں آیا کہ پاکستان بھر میں پرامن مظاہرین کے خلاف پولیس کی بربریت کے واقعات شدت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور ریاست مخالف الزامات پر کارکنوں اور سیاسی کارکنوں کی گرفتاریاں معمول کی کارروائی بن گئی ہیں۔ آزادیِ صحافت مسلسل دباؤ میں ہے اور صحافیوں کو تواتر کے ساتھ نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ریاست کو بلا جواز تشدد سے رجوع کرنے کے بجائے اظہارِ رائے کی آزادی، انجمن سازی اور پرامن اجتماع کے حقوق کا احترام کرنا چاہیے۔ جمہوری نظام کے استحکام کے لیے تمام افراد کے اظہار، اجتماع اور انجمن سازی کے حق کو تحفظ دینا ناگزیر ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں اس امر پر بھی تشویش ہے کہ ریاست نے پورا سال قواعد وضوابط کی آڑ میں این جی اوز اور سول سوسائٹی تنظیموں کی سرگرمیوں میں غیر ضروری مداخلت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہم ریاست کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر تنظیمیں ایسے شعبوں میں خدمات انجام دے رہی ہیں جنہیں ریاست نے نظر انداز کر رکھا ہے۔

یہ معاملہ بھی توجہ طلب ہے کہ گذشتہ سال کے دوران جبری گمشدگیوں کے واقعات میں کوئی کمی نہیں آئی، خاص کر بلوچستان، سندھ اور کے پی میں۔ اور جو بات زیادہ تشویش کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ بلوچ اور پشتون طلبا کی جبری گمشدگی کے واقعات بڑھے ہیں۔ اس مسئلے کے حل کی طرف بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دیا جائے اور ریاست تمام افراد کو جبری گمشدگیوں سے تحفظ فراہم کرنے کے کنونشن کی توثیق کرے۔

گذشتہ برس کے دوران خواتین اور خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد میں کمی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیے۔ خواجہ سراء افراد (حقوق کا تحفظ) ایکٹ 2018 کے خلاف مذموم مہم ختم ہونی چاہیے اور صوبائی حکومتوں کو بھی خواجہ سراؤں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی کرنا ہوگی۔

مذہبی اور فرقہ ورانہ اقلیتیں اب بھی غیر محفوظ ہیں۔ سیالکوٹ اور میاں چنوں میں ہجوم کے ہاتھوں ہلاکتوں، پشاور میں شیعہ عبادت گزاروں پر حملہ اور احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی جیسے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ احمدیہ برادری پر دانستہ اور بتدریج بہیمانہ ظلم وستم، جس کی حالیہ مثال نکاح نامے میں عقیدے کا لازمی اظہار ہے، باعثِ تشویش ہے۔ ہم ریاست سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مذہبی انتہا پسندی کی بڑھتی لہر پر قابو پایا جائے اور سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ تصدق جیلانی کے 2014 کے فیصلے کی روشنی میں اقلیتوں کے قومی کمیشن کو آئینی درجہ دیا جائے تاکہ یہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے۔

سندھ میں شیڈول ذاتوں کو حکومت میں مناسب نمائندگی نہ ملنے اور انہیں امتیازی سلوک کا نشانہ بنائے جانے کی شکایات موصول ہوتی رہیں۔ انہیں ہر قسم کے امتیازی سلوک سے تحفظ فراہم کیا جائے۔

انسانی حقوق کے قومی ادارے جیسے کہ این سی ایچ آر اور این سی ایس ڈبلیو وسائل کی کمی کا شکار ہیں اور اسی وجہ سے مکمل طور پر فعال نہیں ہیں۔ انہیں تمام ضروری وسائل مہیا کرنے کے لیے فی الفور اقدامات کیے جائیں۔

افغان مہاجرین کا مسئلہ تا حال پائیدار حل کا منتظر ہے۔ مہاجرین کے حوالے سے ریاست ایسی حکمت عملی اختیار کرے جو پاکستان میں اُن کے پناہ لینے اور ملک میں بطور مہاجرین باعزت زندگی بسر کرنے کا حق تسلیم کرے، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ میزبان برادریوں کے سیاسی و معاشی حقوق کی حفاظت بھی کرے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ریاست 1951 کے مہاجر کنونشن اور اس کے 1967 کے پروٹوکول کی منظوری دے اور مہاجرین کے حقوق کے لیے قانون سازی کرے۔

فہرست

سال 2022 اور ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال	03
پریس ریلیز	04
پاکستان میں انسانی حقوق کی جدّ وجہد، فتوحات اور بحث مباحثے	05
انسانی حقوق کا عالمی منشور 1948ء	07
قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے طاقت اور آتشیں اسلحہ کے استعمال پر بنیادی اصول	12
10 دسمبر کا دن ہم کیوں مناتے ہیں؟	15
بیوی شوہر کے گھر پر غیر محفوظ ہو تو وہ تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کر سکتی ہے: سپریم کورٹ	16
لڑکیوں کی تعلیم اور اہمیت	17
10 دسمبر انسانی حقوق کا عالمی دن	18
شہر قائد پر بدنما داغ، سال 2022 میں 513 خواتین ریپ کا شکار	19
آٹے کا شدید بحران	21
بڑھتی ہوئی بدامنی کے خلاف احتجاج	22

موسمیاتی انصاف پر قومی گول میز کانفرنس نے نئے سماجی معاہدے کا مطالبہ کیا ہے: ایچ آر سی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے موسمیاتی انصاف پر ایک قومی گول میز کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں کہا گیا کہ سیلاب 2022 کے تباہ کن اثرات کے تناظر میں ایک ایسے نئے سماجی معاہدے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد موسمیاتی انصاف پر ہو۔ جس سے مراد یہ ہے کہ موسمیاتی تبدیلی محض ماحولیاتی معاملہ ہی نہیں بلکہ ایک اخلاقی، قانونی اور سیاسی معاملہ ہے۔

گول میز کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے، ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے حالیہ سیلاب کا حوالہ دیتے ہوئے موسمیاتی تبدیلی سے لوگوں کی زندگیوں اور ذرائع معاش پر پڑنے والے منفی اثرات کا ذکر کیا۔ انہوں نے ماحولیاتی حقوق کو انسانی حقوق کی فہرست کا لازمی جُز بنانے کی ضرورت اُجاگر کی اور کہا کہ موسمیاتی انصاف کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے قلیل مدتی اور طویل مدتی، دونوں طرح کے حل تلاش کرنا ہوں گے۔

کانفرنس کے شرکاء کا کہنا تھا کہ حقِ زندگی، ذریعہ معاش، مکان، صفائی، صحت، خوراک، پانی اور صاف ہوا جیسے بنیادی حقوق سے حقیقی معنوں میں مستفید ہونے کے لیے ماحولیاتی حقوق کا تحفظ ناگزیر ہے۔ نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) کے سابق سربراہ، اور ایشین ڈیزاسٹر پری پیرڈنیس سنٹر کے قومی مشیر جنرل (ریٹائرڈ) ندیم احمد نے زور دے کر کہا کہ ہنگامی ردِعمل کے دوران خوراک، رہائش، صفائی کے لیے پانی اور صحت کی نگہداشت کو ترجیح دینی چاہیے۔ موسمیاتی تبدیلی پر سینٹ کی قائمہ کمیٹی کی چیئرپرسن سیمی ایزدی کا کہنا تھا کہ نچلی سطح پر تبدیلی لانے کے لیے مقامی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ انڈس ارتھ ٹرسٹ کے سی ای او شاہد سعید نے متاثرہ افراد کے نفسیاتی صدمے کو کم کرنے کے لیے قلیل مدتی اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔ ماہرِ تعلیم بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ نے کہا کہ موسمیاتی تبدیلی کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے ہر سطح پر حکمتِ عملیاں وضع کرنے کی ضرورت ہے، اور اِس مقصد کے لیے این ڈی ایم اے، وزارتِ موسمیاتی تبدیلی اور وزارتِ منصوبہ بندی کے مابین قریبی رابطہ انتہائی ضروری ہے۔

ماحولیاتی امور پر نگاہ رکھنے والی صحافی عافیہ سلام نے 2022 کے حالیہ سیلاب کے وقت ریاست کی عدم تیاری کی حقیقت بے نقاب کی اور مطالبہ کیا کہ ریاست کو نہ صرف قدرتی آفت سے نمٹنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے بلکہ آفت کے امکانات میں کمی لانے کے لیے بھی سرگرم ہونا ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ریاست انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے خطرات اور خامیوں کا جائزہ لے اور آفت سے نمٹنے کی کوششوں کے دوران صنفی تفریق پر قابو پانے اور نوجوانوں کو بہتر ذرائع میسر کرنے پر توجہ دے۔ ماہرِ تعلیم ضیغم عباس نے نشاندہی کی کہ موسمیاتی تبدیلیوں کا کامیابی کے ساتھ سامنا کرنے کے لیے سماج کی نچلی سطحوں پر روایتی علوم کا نظام موجود ہے جسے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے، جبکہ جناح انسٹی ٹیوٹ سے تعلق رکھنے والے سیف جمالی نے آفات پر ردِعمل کے لیے معاشرتی دانش سے مستفید ہونے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ سماج میں صدیوں سے پروان چڑھنے والے علم و حکمت کو نمایاں حیثیت حاصل رہے۔

کانفرنس کی بحث کو سمیٹتے ہوئے وزارتِ موسمیاتی تبدیلی کی وفاقی وزیر شیری رحمان نے یہ حقیقت سامنے لائی کہ ہر بحران سب سے زیادہ پسے ہوئے طبقوں کو متاثر کرتا ہے، جیسے کہ حالیہ سیلابوں نے عورتوں اور بچوں کو متاثر کیا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ سائنسی مہارتوں کو ترجیح دینی ہو گی، ایسی پالیسیاں اپنانا ہوں گی جو معروضی حقائق سے جُڑی ہوئی ہوں، اور موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے کے لیے ملکی سطح کا منصوبہ وضع کرنا ہوگا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 07 دسمبر 2022]

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

پاکستان میں انسانی حقوق کی جدّ وجہد، فتوحات اور بحث مباحثے

فرح ضیاء

آج پاکستان میں انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کی صورت حال کیا ہے؟ ایسے موقع پر جب پاکستان کی پچھترویں سالگرہ کا جشن منایا جا رہا ہے، فرح ضیاء نے ایک ایسے ملک میں جدّ وجہد اور فتوحات کی دشوار گزار تاریخ کا تجزیہ کیا ہے، جس کا خم دار سیاسی سفر گذشتہ سات دہائیوں کے دوران اپنے بانی قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نصب العین سے دُوریاں اختیار کرتا نظر آتا ہے۔

پچھتر برس ملک کی تاریخ میں کوئی بڑا دورانیہ نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ ایک اہم سنگِ میل ہے، اتنا اہم کہ آپ کو جانچنے پرکھنے کے لیے کافی کچھ فراہم کرتا ہے۔ جہاں تک انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کا معاملہ ہے تو پاکستان کی گذشتہ پچھتر برس کی تاریخ مسلسل جدّ وجہد سے عبارت ہے۔

وقت بطورِ سنگِ میل ایک دلچسپ تمثیل ہے۔ کئی دیگر تمثیلیں بھی ذہن میں آتی ہیں۔ میں حال ہی میں گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے سیاسی کارکن بابا جان سے ملی، جو ریاست مخالف طرزِ عمل اپنانے اور لوگوں کو حکومت کے خلاف تشدد پر اُکسانے کے الزامات پر دس برس جیل میں بند رہے؛ انہیں ابتدائی طور پر اکہتر برس قید کی سزا سنائی گئی (جی ہاں، آپ نے بالکل صحیح پڑھا ہے) ٹھیک تین برس پیشتر سیاست اور انسانی حقوق کے کارکن ادریس خٹک اغواء ہوئے، پھر آٹھ ماہ بعد ایک فوجی عدالت نے انہیں سرکاری سیکرٹ ایکٹ کے تحت جاسوسی کے مقدمے میں 14 برس بامشقت قید کی سزا سنائی۔ ایک جامعہ کے معلم جنید حفیظ مذہب کی بے حرمتی کے الزامات پر چند ماہ بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے دس برس مکمل کریں گے جن میں سے بیشتر مدت وہ قیدِ تنہائی میں رہے۔ اُب انہیں سزائے موت سنائی گئی ہے، اور عدالت عالیہ میں اپنی اپیل کی سماعت کے منتظر ہیں۔

پچھتر سالہ پاکستان اور حقوق کے لیے اِس کی جدّ وجہد کی طرف پلٹتے ہیں، اور یوں 1947 سے سے پہلے کی تاریخ میں جھانکتے ہیں جب بھارت اور پاکستان ایک ہی وطن تھا۔

شہری حقوق اور آزادیوں پر ہمارے گورو آئی اے رحمان نے ہمیں یاد دلایا کہ کس طرح ہندوستانیوں نے متحدہ ہندوستان کے لیے دستور تحریر کرنے کی خاطر 1928 میں موتی لال نہرو کی سربراہی میں نہرو کمیٹی قائم کی جس نے اپنی رپورٹ میں بنیادی حقوق پر ایک باب رقم کیا تھا۔ اُن حقوق میں اظہار، انجمن سازی، اجتماع، نقل و حرکت اور قومیت کی آزادی جیسے حقوق شامل تھے۔ پاکستان میں تاریخ کے طالب علموں کی رائے میں مسلم لیگ نے نہرو رپورٹ اِس وجہ سے مسترد کی کہ اُس میں مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لیے تینتیس فیصد نمائندگی کا مسلم مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ ایسے طالب علموں کے لیے جناح کے چودہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں جو کہ نہرو رپورٹ کے ردِ عمل میں مسلمانوں کے لیے متبادل سیاسی حکمتِ عملی کے طور پر پیش کیے گئے تھے۔

ہمارے گورو دراصل ہمیں یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ انسانی حقوق آزادی کی جدو جہد کا لازمی حصّہ تھے۔

ایک مرتبہ جب ہندوستان کے بٹوارے کا فیصلہ ہو گیا تو پھر مسلم قیادت کے محرکات اور ترجیحات بدل گئیں۔ پاکستان کی دستُور ساز اسمبلی نے ابتدائی اقدامات میں دو کمیٹیاں قائم کی تھیں، ایک کا مقصد دستُور کے بنیادی اصولوں کا فیصلہ کرنا تھا، دوسری کا کام شہریوں کے سیاسی حقوق اور اقلیتوں سے متعلق معاملات طے کرنا تھے۔ دوسری کمیٹی کی سربراہی جناح نے بذاتِ خود کی۔ یہ 12 اگست 1947 کی بات ہے، جناح کے بطور گورنر جنرل حلف اٹھانے سے چند دن پیشتر۔ بہت سارا ابتدائی کام کمیٹی برائے حقوق نے جناح کی زندگی میں مکمل کر لیا تھا اور اگرچہ دستُور کا مسودہ 1956 سے پہلے مکمل نہیں ہو سکا تھا، مگر دستُور ساز اسمبلی نے بنیادی حقوق کا باب 1950 تک تسلیم کر لیا تھا۔

یہاں تک کہ اُس سے بھی پیشتر جناح کی 11 اگست کی مشہور زمانہ تقریر ہے: ''آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔۔۔' جس میں اُنہوں نے نوزائیدہ ملک کے سیکولر نظامِ سیاست میں مساوی شہریت کا تصور پیش کیا تھا۔ بعدازاں، پاکستان اپنے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کی سربراہی میں اُن 48 ممالک کا حصہ بنا جنہوں نے 1948 میں اقوام متحدہ میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کی حمایت میں ووٹ ڈالا۔

مگر تھوڑا انتظار کریں۔ اِس ملک میں حقوق کے لیے مستقل کٹھن جدّ وجہد کی وجہ جاننے کے لیے تاریخی پس منظر کا تاریخ وار جائزہ لینا پڑے گا۔

مساوی شہریت اور سیکولر نظام سیاست کو پہلے دن سے ہی متنازعہ معاملات بنا دیا گیا۔ جناح کی وفات کے کچھ ماہ بعد، مارچ 1949 میں، دستور ساز اسمبلی نے 'دستور کے اہداف و مقاصد' کے عنوان سے ایک قرارداد منظور کی جو 'قراردادِ مقاصد' کے نام سے جانی جاتی ہے، اور جس کی اسمبلی کے تمام اقلیتی اراکین نے پُر زور مخالفت کی تھی۔ انہوں نے قرارداد مقاصد میں مذہب و سیاست کے میلاپ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اُنہوں نے خبردار کیا کہ مذہب افراد کا ہوتا ہے ریاستوں کا نہیں، اور خدشہ ظاہر کیا کہ اِس قرارداد سے ملک مذہبی ریاست میں تبدیل ہو جائے گا۔

ان بصیرت انگیز الفاظ کو کہتے ہوئے، اقلیتی ارکان جو ملک چھوڑ سکتے تھے، وقت کے ساتھ ساتھ چھوڑ گئے۔ مساوی شہریت کا وعدہ بتدریج بے اثر پڑ گیا، 1956 میں باقاعدہ ایک آئین نافذ ہو گیا اور 1958 میں پہلے مارشل لاء کے اعلان کے ساتھ کالعدم قرار دے دیا گیا۔ مرکزیت پسند ریاست کو لامرکزیت پسند ریاست پر ترجیح دی گئی، اور پھر 1962 میں دوسرا آئین لایا گیا۔

1962 کا آئین اس لحاظ سے منفرد تھا کہ اس میں عدالتوں کے ذریعے قابلِ نفاذ بنیادی حقوق کے تصور کو نظر انداز کیا گیا۔ اُس وقت کے صدر جنرل ایوب خان نے 1956 کے آئین میں فراہم کردہ بنیادی حقوق کو برقرار رکھنے کے حوالے سے اپنے ہی تشکیل کردہ آئینی کمیشن کی سفارش کو اہمیت نہ دی۔ اس کے بجائے، اُنہوں نے بنیادی حقوق کو قانون سازی کے اصولوں کے درجے تک محدود رکھا۔ حد سے زیادہ غیر محفوظ اور انتہائی مرکزیت پسند ریاست میں، آٹھ سیاسی رہنماؤں (تمام مشرقی پاکستان سے تھے) نے ایک کھلا بیان جاری کیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ان حقوق کو 1962 کے آئین میں بحال کیا جائے اور محض قانون سازی کے اصولوں کا درجہ دینے کے بجائے عدالتوں کے ذریعے قابلِ نفاذ بنایا جائے۔

یہ حقوق بالآخر 1964 کے اوائل میں دستور میں تین مستثنیات کے ساتھ بحال ہوئے: یہ فوجی/ دفاعی افواج اور امن و امان برقرار رکھنے والوں پر لاگو نہیں ہوں گے (جیسا کہ 1956 کے آئین میں تھا)؛ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد منظور ہونے والے تمام قوانین کو کالعدم قرار نہیں دیا جائے گا اگر وہ بنیادی حقوق سے متصادم ہوں؛ اور تیسرا استثنیٰ یہ تھا کہ یہ حقوق قبائلی علاقوں پر لاگو نہیں ہوں گے۔

مرکزیت پسند ریاست کا بوجھ — وَن یُونٹ سیاست سے بنگالی قوم پرستی کو روکنے کے لیے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی تک — بالآخر آزادی کے 24 سال بعد 1971 میں پاکستان کے حصّے بخرے کرنے کا باعث بنا۔ باقی ماندہ پاکستان کے چھوٹے صوبوں میں نسلی-لسانی قومیتیں صوبائی

خودمختاری کی ضامن اٹھارویں دستوری ترمیم کی منظوری کے باوجود اُسی بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔

فوجی حکمرانوں کے اقدامات ملک پر آسیب کی طرح چھائے ہوئے ہیں لیکن حقوق کی جدّوجہد جاری ہے۔ یہ ایوب خان کی فوجی آمریت کا زمانہ ہی تھا جب ایک آرڈیننس کے ذریعے آرمی ایکٹ 1952 میں ایک نیا سیکشن (سیکشن 2(1)(د) متعارف کرایا گیا، جس کی رُو سے قرار پایا کہ آفیشل سیکرٹ ایکٹ 1923 کے تحت پاکستان کے دفاع و سلامتی کے ضمن میں سرزد ہونے والے جرائم کے لیے شہریوں کو آرمی ایکٹ کے دائرہ کار میں لایا جا سکے گا۔۔ یہی سیکشن ہے جس کے تحت 2019 میں ادریس خٹک کے خلاف کارروائی ہوئی۔

آج، ہر کوئی 1973 کے آئین میں بنیادی حقوق کے باب پر حتمی دستاویز کے طور پر بھروسہ کرتا نظر آتا ہے۔ ان میں سے کچھ حقوق 'معقول پابندیوں' جیسے کہ 'پاکستان کی سلامتی، سلامتی یا دفاع کے لیے نقصان دہ'، 'مفاد عامہ کے خلاف'، 'پاکستان کی خودمختاری یا سلامتی کے لیے نقصان دہ'، 'اسلام کی عظمت'، 'غیرملکی ریاستوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات'، 'امن وامان، شائستگی یا اخلاقیات' کے تابع ہیں۔ اِس میں واحد مطلق حق فرد کے وقار کے بارے میں ہے — جیسے شہری 'مُطلقاً' ستم ظریفی قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔

ملک کے قیام سے ہی اس جملے کی بازگشت سنائی دے رہی ہے کہ پاکستان میں کس طرح ایک ہاتھ سے دیئے گئے حقوق دوسرے ہاتھ سے چھین لیے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں دستور کی اُن بعض دفعات، قوانین اور طریق ہائے کار کا حوالہ دیا جاتا ہے جو ریاستی حکام لوگوں کے حقوق کو سلب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نوآبادیاتی قوانین جیسے کہ بغاوت کا قانون، اجتماع کی آزادی کے خلاف قوانین، مذہب کی بے حرمتی سے متعلق قوانین، نفرت انگیز تقریر کے قوانین، فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن (1901) وغیرہ کا حوالہ دیا جاتا ہے جو نوآبادیاتی دور کے بعد کے قوانین جیسے کہ انسدادِ قومی سرگرمیاں ایکٹ، ایکشن اِن ایڈ آف سِول پاور ریگولیشنز 2011، پریوینشن آف الیکٹرانک کرائمز ایکٹ، 2016، وغیرہ کے ساتھ مل گئے۔ نوآبادیاتی دور سے بعد کے قوانین میں سے جو قانون بنیادی حقوق پر اثرات کے لحاظ سے سب سے وسیع دائرہ کار کا حامل ہے وہ انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 ہے۔

اگر ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں حقوق کی جدوجہد کے محرکات کیا ہیں تو پھر پاکستان کی آئینی تاریخ اور قوانین پر اس مختصر دستاویز کا پس منظر اہم ہے۔ میرے خیال میں، تین قوتیں، یا تضادات اگر آپ متفق ہوں: سویلین طاقتوں پر فوج کی بالادستی، سیکولر ریاست پر اکثریتی مذہب کا غلبہ، اور وفاق پر مرکزیت پسند ریاست کا بڑھتا تسلط ہمارے نظامِ سیاست اور حقوق کی صورت حال کا تعین کرتے ہیں۔

چڑھائی کرنے والی قوتوں نے اکثر ایک دوسرے کو کمک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ مثال کے طور پر، انسداد دہشت گردی کی عدالتیں دہشت گردی کے واقعات سے نمٹنے کے لیے مؤثر ثابت نہ ہوئیں تو فوجی عدالتیں فوری انصاف کے لیے خاص لگاؤ کے ساتھ میدان میں آگئیں (اگرچہ چار برس کے لیے)۔ اُنہیں قانونی جواز بخشنے کے لیے دستوری ترامیم (اکیسویں ترمیم، 2015 اور تیئیسویں ترمیم، 2017) کا سہارا لیا گیا۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ جب ریاستی حکام نے ایسے شہریوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہی جو اُن کے خیال میں 'قومی مفاد' کے خلاف کام کر رہے تھے تو اُنہوں نے قانون کو اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا یا جب اُنہوں نے محسوس کیا کہ قوانین رکاوٹ ہیں، بوجھ ہیں جو نتیجہ برآمد کرنے میں بہت زیادہ وقت لیں گے تو پھر انہوں نے قوانین کی پرواہ نہیں کی۔ جبری گمشدگیاں، ماورائے عدالت قتل اور ریاستی حکام کا تشدد ایسے ہتھیار ہیں جنہیں استثنیٰ کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بعض اوقات، جب جبری گمشدگی کے خلاف شور زیادہ بلند ہو جاتا ہے تو انہیں بغاوت، جاسوسی اور یہاں تک کہ توہین مذہب کے الزامات پر قانون کے کٹہرے میں لایا جاتا ہے (آخری الزام اُن پانچ بلاگرز کے معاملے میں لگایا گیا تھا جو 2017 کے اوائل میں پنجاب سے 'لاپتہ' ہو گئے تھے)

مذہب کی پوشاک پہننے والی ریاست اقلیتوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتی رہی ہے، جس کا آغاز قراردادِ مقاصد کی منظوری سے ہوا۔ حقوق کی خلاف ورزیوں کا دائرہ مذہبی اقلیتوں سے مذہبی فرقوں پر تشدد سے لے کر خواتین اور بچوں کے حقوق کی پامالی سے سے لے کر ایذا رسانی اور انسداد دہشت گردی کے نام پر زیادتیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان سب کی فہرست بنانا یہاں مقصود نہیں کیونکہ کوئی بھی فہرست ہمیشہ کچھ نہ کچھ ضرور چھوڑ دیتی ہے۔

بنیادی حقوق کے لیے دستوری و قانونی جنگ کے ساتھ ساتھ، جو پہلے ہی شروع ہو گئی تھی، 1950 اور 1960 کی دہائیوں سے خواتین، طالب علموں اور مزدوروں کی تحریکیں بھی چل رہی تھیں، اگرچہ اپنے طور پر الگ الگ۔ ان میں صحافیوں اور وکلاء کی سربراہی میں شہری اور سیاسی حقوق کی جنگ بھی شامل کر لیں۔ خواتین نے ویمن ایکشن فورم (ویف) کے تحت ضیاء الحق کے ظالمانہ فوجی دور میں امتیازی قوانین کے خلاف احتجاج کیا۔

تاہم، جب 1985 میں مارشل لاء اُٹھایا گیا، تو انسانی حقوق کی منظّم و وسیع عریض تحریک کے امکانات روشن ہو گئے جس سے ہر طرح کی انفرادی جدّوجہد یکجا ہو گئی۔ ڈ ہی وقت ہے جب عاصمہ جہانگیر، حنا جیلانی اور وکلاء، ریٹائرڈ ججوں، صحافیوں اور ماہرینِ تعلیم میں سے چند ہم خیال لوگ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی بنیاد رکھنے کے لیے اکٹھا ہوئے۔ انہوں نے ملک کے طول و عرض کا سفر کیا تاکہ لوگوں کو سول سوسائٹی کی زیرِ قیادت قائم ہونے والے کمیشن کا رکن بننے کی دعوت دے سکیں۔ 1986 میں، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اپنا کام شروع کیا، جو کہ انتہائی جرات آمیز قدم تھا: کمیشن کا مقصد انسانی حقوق کی تمام خلاف ورزیوں کا ریکارڈ رکھنا، جن میں شہری اور سیاسی سے لے کر معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق شامل ہیں؛ فیکٹ فائنڈنگ مشنوں کا اہتمام کرنا، مستند رپورٹیں تیار کرنا، ایڈووکیسی اور لابی سازی کرنا، انسانی حقوق کی مقامی بحث کو بین الاقوامی منظرنامے پر ہونے والی بحث سے ہم آہنگ کرنا، پاکستانی حکومت کو اُس کی بین الاقوامی ذمہ داریاں یاد دلانا، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی تشکیل پر زور ڈالنا اور اس جیسے دیگر اہداف کے حصول کے لیے جدّوجہد کرنا تھا۔

ایچ آر سی پی اور پاکستان بھر میں اس کے ہزاروں رضا کار کارکنان کی کاوشوں کی بدولت، اب پاکستان میں انسانی حقوق کی عمارت کھڑی ہو گئی ہے، جسے ہم سرگرم عمل سول سوسائٹی تنظیموں، وفاقی وزارت برائے انسانی حقوق، انسانی حقوق کی صوبائی وزارتوں، پارلیمانی کمیٹی برائے انسانی حقوق، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اور عورتوں و بچوں پر قانونی کمیشن اور اقلیتوں پر کمیشن ہی کی طرح کے ایک ادارے کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔

آج انسانی حقوق کو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ملک ابھی سیکولر ریاست میں مساوی شہریت جس کا تصور جناح نے پیش کیا تھا، سے نہ صرف دُور ہے بلکہ ہم یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ اُس سمت پر گامزن ہے۔ مثال کے طور پر 2018 میں خواجہ سراء افراد کے تحفظ کے لیے ایک منفرد اگرچہ غیر مکمل قانون منظور ہوا اور اُس سے ملتی جلتی قانون سازی کے لیے صوبوں کی اسمبلیوں میں بھی قانونی مسودے پیش کرنے کا عمل جاری تھا کہ حالیہ مہینوں میں رجعت پسند قوتوں نے قانون کے خلاف نفرت انگیز مہم چھیڑ دی اور یوں خواجہ سراء برادری پہلے سے زیادہ غیر محفوظ ہو گئی ہے۔ لیکن اگر اس کا دوسرے زاویے سے جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ معاملے پر پہلے سے زیادہ عوامی بحث ہو رہی ہے۔

پچھتر برس، اور حقوق کی جدّوجہد کا سلسلہ رواں ہے۔

لکھاری صحافت اور انسانی حقوق کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ 'دی نیوز آن سنڈے' کی مدیرہ رہ چکی ہیں جبکہ اِس وقت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی ڈائریکٹر ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ لندن اسکول آف اکنامکس)

انسانی حقوق کا عالمی منشور 1948ء

ظفراللہ خان

آرٹیکل 15

(1)۔ ہر شخص کو قومیت (Nationality) کا حق ہے۔

(2)۔ کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہیں کیا جائے گا۔

شہریت کیا ہے؟

قانونی اعتبار سے شہریت سے مراد کسی ریاست میں فرد کی قانونی حیثیت ہے۔ فرد اور ریاست کے درمیان یہی رشتہ اس کے عمرانی معاہدہ، اور سیاسی اور معاشی حقوق کا تعین کرتا ہے۔

شہریت پر تحقیق کرنے والے محقق اس کی مختصر اور جامع تعریف یوں کرتے ہیں۔ "شہریت سے مراد کسی معاشرے کی '۔اس تعریف رکنیت سے ہمیں رکنیت کی شرائط اور ذمہ داریوں کی بابت بھی علم ہوتا ہے۔ یہ رکنیت پیدائشی استحقاق، ہجرت، سرمایہ کاری وغیرہ کے ذریعہ ملتی ہے۔ بعض ممالک کے آئین اور قوانین دوہری شہریت کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

اکثر اوقات "شہریت" اور "قومیت" کی اصطلاحات کو آپس میں گڈمڈ بھی کیا جاتا ہے۔ گلوبلائزیشن کے دور میں کم از کم فکری سطح پر "عالمی شہری" کی اصطلاح بھی سامنے آئی ہے۔ شہریت ایک قانونی تصور ہے اور اس کے ساتھ ہر ملک اپنی اپنی شرائط اور فرائض منسلک کرتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی ملک میں رہنے کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کے شہری ہیں۔

ہم اکثر ایک اصطلاح "متحرک شہریت" بھی سنتے ہیں۔ جس سے مراد معاشرے میں فعال کردار ادا کرنا ہے۔

پاکستانی شہریت

1947ء میں قیام پاکستان کے بعد سے یہاں شہریت کے حوالے سے دلچسپ مباحثے ہوئے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947ء کو اپنے تاریخی خطاب میں پاکستانی شہریت کے خدوخال کچھ یوں واضح کیے۔

"آپ سب آزاد ہیں، آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں یا آزاد ریاست پاکستان کی کسی عبادت گاہ میں جانے کے لیے۔ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب، عقیدے، قوم یا فرقے سے ہوسکتا ہے ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے"۔ آگے چل کر انہوں نے کہا، "ہم ایسے دنوں میں آغاز کر رہے ہیں جب ہمارے درمیان کسی قسم کے نسلی یا فرقہ وارانہ تعصب کا وجود نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ ایک نئے دور کا آغاز کرنے جا رہے ہیں جس کے مطابق ہم سب شہری ہیں، ایک ریاست کے برابر حقوق کے مالک شہری"۔ بانی پاکستان نے یہ بھی کہا کہ " آپ دیکھیں گے کہ وقت کے ساتھ ساتھ، مسلمان- مسلمان نہیں رہے گا اور ہندو- ہندو نہیں رہے گا، میں مذہبی معنوں میں ایسا نہیں کہہ رہا کیونکہ یہ تو ہر فرد کے مذہبی حوالے سے عقیدے کا سوال ہے، میں تو ریاست کے شہری کی حیثیت سے سیاسی حوالے سے بات کر رہا ہوں۔"

بانیِ پاکستان کا یہ خطاب ایسی قوم اور شہریت کا تصور اجاگر کرتا ہے جس میں شہریوں کے درمیان مساوات کا تصور غالب ہو اور مذہب یا عقیدے کی بنیاد پر تفریق نہ ہو۔ پاکستان کی سول سوسائٹی قائداعظم کی اس ایک ہزار چھ سو اٹھارہ الفاظ پر مشتمل تقریر کو ملک کا "میگنا کارٹا" قرار دیتی ہے کیونکہ اس میں کھلے انداز میں ریاست کے مزاج اور مستقبل کے امور ریاست کی تشریح کی گئی۔ تاہم ضمیر نیازی اپنی کتاب 'صحافت پابند سلاسل' میں بیان کرتے ہیں کہ انتظامیہ نے اس تقریر کو پریس میں چھپنے سے روکنے اور سینسر لگانے کی بہت کوشش کی۔ اچھی بات یہ ہے کہ پاکستان کی پارلیمان نے آنے والی نسلوں کی خاطر اس تقریر کو محفوظ کر لیا۔ اس روز کی لفظ بہ لفظ کارروائی پاکستان کی نیشنل لائبریری اور قومی اسمبلی کی لائبریری میں محفوظ ہے بلکہ قومی اسمبلی آف پاکستان کی ویب سائٹ پر بھی دستیاب ہے۔ اس تقریر کی مکمل عبارت اسمبلی کے احاطہ میں بھی آویزاں ہے۔

12 اگست 1947 کو پاکستان کی مجلس دستور ساز نے 16 اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی کے قیام کی منظوری دی جو کہ شہریوں اور اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے لیے پارلیمانی کمیٹی تھی اور اس کے کام کی بنیاد پر ریاست کا دستوری ڈھانچہ تعمیر ہونا تھا۔ اس کمیٹی کی رپورٹوں میں پاکستانی شہریت کی تشریح کے حوالے سے اچھا خاصا کام ہوا۔

تاہم پاکستانی شہریت کے حوالے سے پہلا سوال 18 مئی 1948 کو مجلس دستور ساز میں اٹھا جب اسمبلی کے اراکین کی "پاکستانی شہریت" پر بات ہوئی۔ اسمبلی کے قواعد میں ترمیم کی گئی کہ وضاحت ہو سکے کہ کون پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا رکن ہوسکتا ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے شہریت کے دو اصول سامنے آئے۔ اوّل، پاکستان سے وفاداری اور دوئم، 14 اگست 1947ء کے بعد کم از کم چھ ماہ کی سکونت۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت اور فسادات میں ہونے والی قتل و غارت نے اس سوال کو اہم بنا دیا کہ بیک وقت دونوں ریاستوں یعنی انڈیا اور پاکستان میں "سیاسی مستقبل" تلاش نہیں کیا جاسکتا۔

چونکہ دستور بنانے کا عمل سست روی کا شکار تھا اس لیے شہریوں اور اقلیتوں کے حقوق کی پارلیمانی کمیٹی نے پاکستانی شہریت کے سوال کو اسمبلی میں طے کرنے کی بات کی اور 1951ء میں "پاکستان شہریت ایکٹ" منظور ہوا۔ یہ بل پہلے دستور ساز اسمبلی میں آیا بعد ازاں تجویز دی گئی کہ اسے قانون ساز اسمبلی کے طور پر اجلاس میں منظور کیا جائے۔ اس اثناء میں لیاقت- نہرو معاہدہ کے تحت 8 اپریل 1950 میں طے ہوا کہ دونوں ممالک اپنی اپنی اقلیتوں کے لیے مساویانہ شہریت کے لیے کام کریں گے اور عملی اقدامات اٹھائیں گے۔

پاکستان شہریت ایکٹ 1951ء

پاکستان شہریت بل 9 اپریل 1951 کو اس وقت کے وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین نے مجلس قانون ساز میں متعارف کرایا جسے 10 اپریل 1951 کو منظور کر لیا گیا اور اس کا اطلاق 13 اپریل 1951 سے گزٹ نوٹیفکیشن کے بعد سے ہوتا ہے۔

پاکستان شہریت ایکٹ 1951ء میں شہریوں کی تعریف کچھ یوں کی گئی۔

پاکستانی شہریت کا حلف نامہ

....

میں .... رہائشی ....

قسم کھاتا/کھاتی ہوں کہ میں دستور پاکستان کا حامی اور سچا وفادار رہوں گا/گی۔

(بحوالہ سیکشن 10، پاکستان شہریت ایکٹ 1951)

اوّل:۔ جس کے والدین یا آباء ان علاقوں میں پیدا ہوئے جو 14 اگست 1947ء کے بعد پاکستان میں شامل ہیں اور جو پاکستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک کا مستقل رہائشی نہ ہو۔

دوئم:۔ جس کے والدین یا آباء ان علاقوں میں پیدا ہوئے جو 31 مارچ 1937ء کو انڈیا میں شامل تھیں اور اس کے پاس جانشینی ایکٹ 1925 کے تابع ڈومی سائل ہو اور وہ ان علاقوں میں ہو جو پاکستان ہیں۔

سوئم:۔ وہ جو ہر برطانوی رعایا کے طور پر شہری بنے اور اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے کسی دوسری ریاست کے شہری بنے۔ دوسری شہریت کو ترک کرکے حلف نامہ دے کر پاکستان کے شہری بن سکیں گے۔

چہارم:۔ جنہوں نے اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے یہاں برصغیر پاک و ہند کے علاقوں سے ہجرت کی اور یہاں مستقلاً رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ایکٹ کے سیکشن 4 کے مطابق پیدائشی شہریوں کی وضاحت کی گئی ہے، سیکشن 5 میں سلسلہ نصب کے اعتبار سے شہریت، سیکشن 6 میں ہجرت کے ساتھ شہریت یکم جنوری 1952 کی کٹ آف تاریخ کے ساتھ اور سیکشن 9 میں غیر ملکی کو شہریت دینے (Naturlization) کے حوالے سے وضاحت کی گئی ہے۔ اس ایکٹ کے کل 23 سیکشنز ہیں اور اس پر عملدرآمد کے لیے رولز 152 میں بنائے گئے۔ ابتک اس قانون میں متعدد بار ترامیم ہو چکی ہیں اور اسکی بعض شقوں کے حوالے سے عدالتی فیصلے بھی آئے۔ ایکٹ میں دوہری شہریت کے حوالے سے بھی سیکشن موجود ہے۔

تنقیدی جائزہ

- پاکستان شہریت ایکٹ 1951 یہاں پیدا ہونے والے ان بچوں کو شہریت نہیں دیتا جن کے والد کے پاس ڈپلومیٹک ڈھال ہو یا پھر وہ اجنبی دشمن (alien enemy) ہو۔
- ایکٹ پناہ گزینوں کے حوالے سے خاموش ہے حالانکہ پاکستان میں افغان اور بنگلہ دیشی پناہ گزینوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔
- ایکٹ پاکستانی نژاد بچوں کو بیرون ملک پیدا ہونے پر خودبخود شہریت نہیں دیتا بلکہ ان کی پاکستانی سفارت خانوں میں رجسٹریشن لازمی ہے۔
- ہجرت کے ذریعہ آنے والوں کے لیے ایکٹ آخری تاریخ کا تعین یکم جنوری 1952 کے طور پر کرتا ہے۔
- جبکہ تقسیم کے بعد منقسم خاندانوں میں میل جول اور شادی کا کلچر اور روایت موجود ہے۔
- قانون مطابق شہریت اختیار کرنے کو Naturalization Act 1926 سے مشروط کیا گیا ہے اور اس کو منظور یا مسترد کرنے کا اختیار وفاقی حکومت کے پاس ہے۔ تاہم جموں و کشمیر کے شہریوں کو پاکستانی شہری کا درجہ دیا گیا ہے۔
- ایکٹ غیر ملکی خواتین کو پاکستانی مردوں سے شادی پر شہریت عطا کرتا ہے تاہم اگر پاکستانی خواتین کسی غیر ملکی سے شادی کرلیں تو اس حوالے سے قانون کا امتیازی چہرہ سامنے آتا ہے۔ یہ حق ابتداء میں یکم جنوری 1949 سے پہلے برطانوی رعایا سے شادی پر تھا۔
- ابتداء میں ایکٹ میں دوہری شہریت کی گنجائش نہیں تھی۔ تاہم 1972ء میں ایک ترمیم کے ذریعے یہ ممکن بنائی گئی۔

ایکٹ شہریوں کی باقاعدہ رجسٹریشن اور پیدائش کی رجسٹریشن کی بات کرتا ہے۔ تاہم شہریوں کی رجسٹریشن 1973 میں شروع ہوئی اور باقاعدہ شناختی کارڈ جاری ہوئے۔ بچوں کی پیدائش کی رجسٹریشن کا کلچر آج بھی کمزور ہے۔ تاہم شہریوں کا ایک مؤثر ڈیٹا بیس نادرا کے نظام کے تحت بنایا جاچکا ہے۔ خواجہ سراء برادری کو رجسٹریشن اور ووٹ کا حق عدالتی فیصلہ کے بعد ملا۔

پاکستانی شہریت کیسے ختم ہوسکتی ہے؟

- پاکستانی شہری کسی دوسرے ملک کی شہریت حاصل کرلے جس کے ساتھ پاکستان کا دوہری شہریت کا معاہدہ نہ ہو۔
- پاکستانی شہری از خود اپنی شہریت ترک کرنے کا اعلان مجاز اتھارٹی کے سامنے کرے۔
- اگر اس نے فراڈ یا غلط بیانی سے پاکستانی شہریت حاصل کی ہو۔ یا پھر پاکستان سے عدم وفاداری کرے اور ملک کے دشمنوں سے غیر قانونی تجارت یا کمیونیکیشن کا رابطہ رکھے۔ ملک کا وفادار نہ رہے۔
- حکومت اس شخص کی شہریت ختم کرسکتی ہے جو سات سال سے زائد عرصہ بیرون ملک رہے اور وہ سرکاری ملازم نہ ہو اور یا اس نے خود کو پاکستانی سفارتخانہ کے ساتھ رجسٹرڈ نہ کیا ہو۔
- وہ جو 1971ء کے بعد بنگلہ دیش میں رہنا شروع کردے یا پھر وہاں ہجرت کر گیا ہو۔ اسی شق میں یکم مارچ 1947 کے بعد بھارت ہجرت کر جانے والوں کے بارے میں بھی ذکر تھا تاہم اس میں واپسی کا محدود راستہ رکھا گیا تھا۔
- اگر کسی کی پاکستانی شہریت ختم ہو تو اس کے کم سن بچوں کی شہریت بھی ختم کر دی جاتی ہے تاوقتیکہ وہ بچہ 21 سال ہونے کے بعد دوبارہ شہری بننے کی درخواست دے۔
- شہریت ختم کرنے کے عمل میں شہری کو شوکاز نوٹس یا تنبیہ کرنا لازمی ہے۔

پاکستانی شہریت کا عملی تجربہ

- پاکستانی شہریت کی ابتداء بانیان پاکستان کی مساویانہ شہریت کی ضمانتوں کے ساتھ ہوئی۔ قانون کی زبان میں آج بھی کاغذوں میں سبھی برابر ہیں مگر عملی صورتحال مذہبی اقلیتوں کے لیے اکثر تلخ ہو جاتی ہے۔ شانتی نگر سے یوحنا آباد تک ہجوم کے ہاتھوں مذہبی اقلیتوں کی آبادی تباہ ہوئی۔ بعض مذہبی اقلیتوں کے قبرستان تک محفوظ نہیں۔
- مذہبی اقلیتوں کو جبری تبدیلی مذہب کی بھی شکایات ہیں۔ نیز 1985 سے ان کے لیے سیاسی نمائندگی کے لیے مخصوص نشستیں بھی منجمد ہیں جبکہ دیگر تمام نشستیں بڑھی ہیں۔
- خواتین کے حوالے سے شہریت ایکٹ کی شق (2) 10 میں آئین کے آرٹیکل 25 کے برعکس صنف کی بنیاد پر امتیاز نظر آتا ہے۔ اگرچہ 2000 میں ایک ترمیمی ایکٹ کے ذریعہ غیر ملکی مرد سے شادی کرنے والی عورت کے بچوں کو شہریت دینے کی راہ کھلی لیکن آج بھی ان کے خاوند کو شہریت دینے کے حوالے سے قانون خاموش ہے اور متعدد بار اس حوالے سے آواز اٹھائی گئی اور کئی پرائیویٹ ممبر بل بھی پیش ہوئے لیکن کوئی عملی پیش رفت نہ ہوسکی۔
- اسی طرح خواجہ سراؤں کی رجسٹریشن کا عمل عدالتی فیصلہ کے بعد ہوا۔ ان کی بہتری کے لیے قانون بھی منظور کیا گیا لیکن ابھی بھی انہیں برابر کا شہری تسلیم کرنے میں بہت جدوجہد درکار ہے۔
- پاکستان تاریخی اعتبار سے لاکھوں افغان پناہ گزینوں کا عرصہ دراز سے گھر ہے۔ تاہم شہریت کا ایکٹ اس حوالے سے خاموش ہے کہ پناہ گزین یا انکے بچے کچھ عرصہ کے بعد شہری بن سکیں گے۔ اس ضمن میں عدالتی فیصلے بھی ہوئے جب یہاں جنم لے کر جوان ہونے والے پناہ گزینوں نے شہریت کا حق مانگا۔ اس حوالے سے وزیراعظم عمران خان کا ایک بیان سامنے آیا جس میں انہوں نے افغان مہاجرین اور بنگلہ دیشی مہاجرین کو شہریت دینے کا وعدہ کیا تاہم

آئینِ پاکستان 1973ء کا ڈھانچہ

دیباچہ ہم جمہورِ پاکستان قراردادِ مقاصد (ضمیمہ)	ریاست کی تعریف نوعیت اور مزاج آرٹیکل 1 سے 7 تک	بنیادی حقوق آرٹیکل 8 سے 28 تک حکمت عملی کے اصول آرٹیکل 29 سے 40 تک	وفاق پاکستان صدر مملکت آرٹیکل 41 سے لے کر 49 تک	مجلس شوریٰ پارلیمان آرٹیکل 50 سے 89 تک	وفاقی حکومت آرٹیکل 90 سے 100 تک
صوبے گورنر، صوبائی اسمبلیاں اور صوبائی حکومتیں آرٹیکل 101 سے 140 تک	مقامی حکومت آرٹیکل 140 (الف)	وفاق اور صوبوں کے مابین تعلقات آرٹیکل 141 سے 159 تک	مالیاتی امور آرٹیکل 160 سے 174 تک قومی مالیاتی کمیشن آڈیٹر جنرل	عدلیہ آرٹیکل 175 سے 212 تک عدالتِ عظمیٰ عدالت ہائے عالیہ شرعی عدالت	انتخابات آرٹیکل 213 سے 226 تک
اسلامی احکام آرٹیکل 227 سے 231 تک	ہنگامی احکام آرٹیکل 232 سے 237 تک	آئین میں ترمیم آرٹیکل 238 سے 239 تک	ملازمتیں آرٹیکل 240 سے 243 تک پبلک سروس کمیشن	مسلح افواج آرٹیکل 243 سے 245 تک	عام آرٹیکل 248 سے 280 تک زبان، جائیداد کا حق اور سیاسی عمل

آئین پاکستان کے اندر 280 آرٹیکل (اصل میں 303)، 5 جدول، ابتدائیہ اور ضمیمہ (قراردادِ مقاصد) شامل ہیں۔

اس پر کوئی عملی پیش رفت ابھی تک سامنے نہیں آئی۔

یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان نے پناہ گزینوں کے حوالے سے اقوام متحدہ کے 1951 کے کنونشن پر دستخط نہیں کیے ہیں۔

- اگرچہ پاکستان کے قانون میں دوہری شہریت کی گنجائش موجود ہے اور 9 ملین (90 لاکھ) کے لگ بھگ بیرون ملک مقیم پاکستانی ملکی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ عرصہ دراز سے بیرون ملک پاکستانی ووٹ کے حق کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ جو کہ 2018ء میں ٹیکنالوجی کی مدد سے انہیں عطا بھی کر دیا گیا ہے۔ تاہم آئین پاکستان دوہری شہریت رکھنے والوں پر الیکشن لڑنے کی پابندی عائد کرتا ہے۔ ماضی میں متعدد اراکین پارلیمان اس بنیاد پر نااہل بھی ہوئے۔ اب حکومت آئین میں ترمیم کر کے بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کو الیکشن لڑنے کا حق دینا چاہتی ہے۔ پاکستان میں عدلیہ یا انتظامیہ کا حصہ بننے کے لیے دوہری شہریت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

دستور پاکستان

بنیادی حقوق اور حکمتِ عملی کے اصول

کسی بھی ملک کے لیے دستور بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے ریاست اور شہریوں کے مابین عمرانی معاہدہ کہا جاتا ہے۔ جمہوری ممالک میں عوام کے منتخب نمائندے دستور ساز اسمبلی میں اسے تحریر کرتے ہیں۔ اس اہم ترین قومی دستاویز میں ریاست کے جغرافیے کا تعین، ملک کے نظام کی روح، مزاج اور سمت کا بیان ہوتا ہے۔ دستور ہی قانون کو جواز، حکومت کو اختیار، اکائیوں کے درمیان وسائل کی منصفانہ تقسیم کا فارمولا اور عوام کو بنیادی حقوق دیتا ہے۔

آج دستور حمورابی کے آئین اور اشوکا کی تختیوں کی طرح پتھر پر کندہ نہیں ہوتا بلکہ اسے زندہ دستاویز کہا جاتا ہے جس میں میں حالات اور ضروریات تبدیل ہو جانے پر ضابطہ کے مطابق ترامیم کا اختیار ہوتا ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کی ایک تحقیق جو کہ دستاویز کی اوسطاً عمر کے حوالے سے تھی میں کہا گیا کہ یہ عرصہ 17 سال کے قریب بنتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں صدیوں پرانے دستور آج بھی رائج العمل ہیں تاہم یہ اوسطاً عمر ہے، جس کے بعد کئی ممالک اپنے مخصوص حالات یا پھر جمہوری دستوری نظر ثانی کے عمل سے گزرتے ہیں۔

پاکستان کی دستوری تاریخ کئی نشیب و فراز کی امین ہے۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے 10 اگست 1947ء کو اپنے کام کی ابتداء کی لیکن ملک کو پہلا دستور 1956ء کو نصیب ہوا۔ برسوں کی ریاضت 1958ء میں اس وقت رائیگاں ٹھہری جب ملک میں پہلا مارشل لاء لگا۔ 1962ء میں فردِ واحد کی دانش پر مبنی آئین آیا جو 1969ء میں ان کے ساتھ ہی تاریخ کے کوڑے دان میں چلا گیا۔ 1970ء میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات ہوئے لیکن دستور کی چھتری انتقال اقتدار کے لیے دستیاب نہ تھی اور طاقت کے زور پر معاملات سلجھانے کی روش نے ملک دولخت کر دیا۔

1973ء میں قومی اسمبلی نے دستور ساز اسمبلی کے طور پر کام کرتے ہوئے آئین منظور کیا جو دوبار معطل ہونے کے باوجود آج بھی رائج ہے اور اس پر وسیع پیمانے پر قومی اتفاق رائے ہے۔

انسانی حقوق کا آغاز کب ہوا؟

اسی دن جب دوسرا انسان روئے زمین پر آیا۔ انسانی حقوق کی پامالی کی کہانی بھی اتنی ہی پرانی ہے۔ قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل الہامی کتابوں میں رقم ہے۔ گویا انسان ہی انسان کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الہامی مذاہب اور دنیاوی مذاہب اور فکر و فلسفہ کے مباحث کا مرکز و محور حرمت انسانی ہے۔ حضرت موسیٰ کے احکامات ربانی سے لے کر حضرت محمد ﷺ کے آخری خطبہ تک ہمیں حقوق العباد کا ایک مدلل بیانیہ ملتا ہے۔

انسانی حقوق کی کہانی میں اگر تہذیبی ارتقاء کا پہلو دیکھیں تو جدوجہد "مساویانہ حقوق" کی رہی ہے۔ حمورابی کوڈ میں انسان برابر نظر نہیں آتا۔ غلام کے قتل کی سزا اور طبقہ اشرافیہ کے کسی فرد کی سزا مختلف تھی۔ آقا اور غلام کی تفریق کے مظاہر جابجا ملتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ 10 دسمبر 1948ء اہم ہے کہ اس روز انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور ہوا جس میں انسانی برابری کے لیے دستوری اور قانون سازی کی راہیں کھلیں۔ آج یہ دستاویز دنیا بھر میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔

اگست 1947ء میں قیام پاکستان کے بعد ہم نے بحیثیت قوم اس دستاویز کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اقوامِ متحدہ کے پیرس میں منعقدہ اجلاس میں جب اس دستاویز پر رائے شماری ہوئی تو پاکستان نے حق میں ووٹ دیا۔ پاکستانی وفد میں اس وقت کی رکن دستور ساز اسمبلی بیگم شائستہ اکرام اللہ شامل تھیں۔ سر ظفر اللہ خان نے انسانی حقوق کے منشور کا عقائد کے تناظر میں تجزیہ کرنے کے لیے پوری کتاب لکھ ڈالی۔ پاکستان کا اپنے شہریوں کو بنیادی حقوق دینے کے لیے غور و فکر کا سلسلہ اس سے بھی پہلے اس وقت شروع ہوا جب 12 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں شہریوں کے بنیادی حقوق کے حوالے سے کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کی

رپورٹ کی بنیاد پر پاکستان کے دستوری ڈھانچہ کی عمارت تعمیر ہونا تھی۔ اس وقت کے پارلیمانی مباحث بتاتے ہیں کہ اراکین اسمبلی کا نقطۂ نظر یہ بنا کہ انسانی حقوق کا عالمی منشور تو ہم مان آئے ہیں۔ اب بتائیے دستور میں اس سے زیادہ کیا دے سکتے ہیں؟ اتنے اچھے آغاز والے ملک میں انسانی حقوق کی جابجا پامالی پر بہت دکھ ہوتا ہے۔ 1956 کے دستور میں بنیادی حقوق کا باب شامل تھا جو کہ اسی کمیٹی کی محنت تھی۔ 1962 میں فرد واحد نے آئین دیا تو حقوق کا باب غائب تھا۔ جب یہ دستور اسمبلی میں آیا تو اس میں پہلی ترمیم حقوق کا باب واپس لائی۔ 1973 کے دستور میں بھی بنیادی حقوق کا باب شامل ہے۔ مارشل لاء ادوار میں کئی عبوری آئینی حکم نامے آئے لیکن بنیادی انسانی حقوق کے باب میں ایک حرف کا اضافہ نہ ہوا۔ 2010 میں اٹھارویں ترمیم نے منصفانہ سماعت، آزادی اطلاعات اور تعلیم کو حق تسلیم کیا۔ تاہم اگر دستور؟ پاکستان کے بنیادی حقوق کے باب کا مطالعہ کریں تو یہ بہت زیادہ "اگر"، " مگر"، قانون، عوامی اخلاقیات وغیرہ کے بوجھ تلے دبا ہے۔ کیا ہم اس باب کو متحرک اور لازمی عمل کی زبان میں نہیں ڈھال سکتے؟

جب دستور معطل ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہ باب غیر فعال ہو جاتا ہے۔ کیا ہم اس باب کو اس غیر فعالیت کے عذاب سے مبرّا نہیں کر سکتے؟ پارلیمان نے دستور کے ذریعہ بنیادی حقوق کے باب کے علاوہ قانون سازی کے ذریعے کئی اداروں کو بھی جنم دیا ہے جن میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، کمیشن برائے حقوق نسواں اور کمیشن برائے حقوق؟ اطفال شامل ہیں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ یہ کمیشن آج غیر فعال ہیں۔ عدالت عظمیٰ نے انسانی حقوق کا سیل بنا رکھا ہے۔ انتظامیہ کی وزارت برائے انسانی حقوق بھی قائم ہے لیکن ہم انسانی حقوق کے ثمرات اور اس ثقافت سے محروم ہیں جس میں عوام کو یہ تمام حقوق حاصل ہوں۔ عدلیہ کے کئی اہم فیصلے بھی آئے خصوصاً اقلیتوں کے حوالے سے۔ لیکن لگتا ہے ہم نے عمل نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ انسانی حقوق کا دن منانے کا سب سے اچھا انداز یہ ہو سکتا ہے کہ ہم عزم کریں کہ ہمارے لوگ ہی ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہیں اور ہم انہیں تمام حقوق کے پھل پہنچائیں گے۔

جب دستور معطل ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہ باب غیر فعال ہو جاتا ہے۔ کیا ہم اس باب کو اس غیر فعالیت کے عذاب سے مبرّا نہیں کر سکتے؟ پارلیمان نے دستور کے ذریعہ بنیادی حقوق کے باب کے علاوہ قانون سازی کے ذریعے کئی اداروں کو بھی جنم دیا ہے جن میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، کمیشن برائے حقوق نسواں اور کمیشن برائے حقوق؟ اطفال شامل ہیں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ یہ کمیشن آج غیر فعال ہیں۔ عدالت عظمیٰ نے انسانی حقوق کا سیل بنا رکھا ہے۔ انتظامیہ کی وزارت برائے انسانی حقوق بھی قائم ہے لیکن ہم انسانی حقوق کے ثمرات اور اس ثقافت سے محروم ہیں جس میں عوام کو یہ تمام حقوق حاصل ہوں۔

آئینِ پاکستان

بنیادی حقوق کا تجزیہ

آئین پاکستان میں دیے گئے بنیادی حقوق کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ 24 بنیادی حقوق میں سے زیادہ تر مکمل اور غیر مشروط نہیں ہیں بلکہ بہت سارے مجرد اور خیالی محسوس ہوتے ہیں۔ اکثر کی زبان بھی غیر واضح اور ٹھوس ضمانتوں سے عاری ہے۔ کم از کم 13 بنیادی حقوق ایسے ہیں جن میں درج ہے کہ یہ حق قانون مطابق، معقول پابندیوں یا وضع کردہ ضابطوں کے مطابق میسر ہوں گے۔

پانچ بنیادی حقوق جن میں آرٹیکل 14- شرف انسانی قابل حرمت ہوگا، آرٹیکل 20- مذہب کی پیروی اور مذہبی اداروں کے انتظام کی آزادی، آرٹیکل 22- مذہب وغیرہ کے بارے میں تعلیمی اداروں سے متعلق تحفظات، آرٹیکل 24- حقوق جائیداد کا تحفظ اور آرٹیکل 25 (الف) تعلیم کا حق شامل ہیں قانون مطابق ہی حاصل ہوں گے۔ یعنی ا?ن حوالوں سے باقاعدہ قانون سازی کی جائے گی۔

اسی طرح چھ بنیادی حقوق میں درج ہے کہ یہ حقوق قانون مطابق معقول پابندیوں سے مشروط ہوں گے۔ ان میں آرٹیکل 15- نقل وحرکت وغیرہ کی آزادی، آرٹیکل 16- اجتماع کی آزادی، آرٹیکل 17- انجمن سازی کی آزادی، آرٹیکل 19- تقریر وغیرہ کی آزادی، آرٹیکل 19 (الف) حقِ معلومات اور آرٹیکل 23- جائیداد سے متعلق حکم شامل ہیں۔ جبکہ آرٹیکل 18 جو کہ تجارت، کاروبار یا پیشے کی آزادی کے بارے میں ہے وہ قانون مطابق ضابطوں سے مشروط ہے۔

ایک اور زاویے سے اگر آئین پاکستان میں درج بنیادی حقوق کو دیکھا جائے تو 5 حقوق حفاظتی نوعیت کے ہیں جن میں آرٹیکل 8- بنیادی حقوق کے منافی قوانین کالعدم ہوں گے، آرٹیکل 9- فرد کی سلامتی، آرٹیکل 10- گرفتاری اور نظربندی سے تحفظ، آرٹیکل 10 (الف) منصفانہ سماعت کا حق، اور آرٹیکل 28- زبان، رسم الخط اور ثقافت کا تحفظ شامل ہیں۔ ایک حق یعنی آرٹیکل 11- غلامی، بیگار وغیرہ کی ممانعت سے روکنے والے حقوق کے زمرے میں آتا ہے۔ پانچ حقوق کا تعلق آئین سے غداری سے ہے۔ اس کا اطلاق 23 مارچ 1956ء سے ہوتا ہے، آرٹیکل 13- دوہری سزا اور اپنے کو ملزم گرداننے کے خلاف تحفظ، آرٹیکل 14- شرف انسانی قابل حرمت ہوگا، آرٹیکل 21- کسی خاص مذہب کی اغراض کے لیے محصول لگانے سے تحفظ اور آرٹیکل 22- مذہب کے بارے تعلیمی اداروں سے متعلق تحفظات شامل ہیں۔

اسی طرح، کم از کم چھ حقوق ایسے ہیں جن میں قانونی امر/کاروائی کی اجازت اور استحقاق کے دعوے ہیں۔ ان حقوق میں آرٹیکل 15- نقل وحرکت کی آزادی، آرٹیکل 16- اجتماع کی آزادی، آرٹیکل 17- انجمن سازی کی آزادی، آرٹیکل 19- تقریر کی آزادی، آرٹیکل 19 (الف)- حق معلومات شامل ہیں۔ جبکہ 4 حقوق میں معاشی تناظر میں استحقاق کی بات کی گئی ہے۔ اس صف میں آرٹیکل 18- تجارت، کاروبار یا پیشے کی آزادی، اور آرٹیکل 23- جائیداد کا تحفظ اور آرٹیکل 27- ملازمتوں میں امتیاز کے خلاف تحفظ شامل ہیں۔ بنیادی حقوق کے بارے میں ایک حق کا تعلق مذہبی آزادی سے ہے۔ آرٹیکل 20- مذہب کی پیروی اور مذہبی اداروں کے انتظام کی آزادی فراہم کرتا ہے۔

اسی طرح آرٹیکل 25- شہریوں سے مساوات اور آرٹیکل 26- عام مقامات میں داخلہ سے متعلق عدم امتیاز کو ریاست کی جانب سے مثبت دستوری قرار کہا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ بنیادی حقوق کے باب میں آرٹیکل 11 (3) جو کہ غلامی، بیگار وغیرہ کی ممانعت کرتا ہے کہتا ہے کہ چودہ سال سے کم عمر کے کسی بچے کو کسی کارخانے یا کان یا دیگر پرخطر ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا جبکہ اسی باب کا آرٹیکل 25 (الف) تعلیم کا حق کہتا ہے کہ ریاست پانچ سے سولہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کو قانون مطابق طریقہ کار کے ذریعے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔

حکمتِ عملی کے اصول

آئین کے درجن بھر آرٹیکل (29 تا 40) حکمت عملی کے اصولوں کے طور پر ہیں۔ یہ تمام آرٹیکل شہریوں کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشی حقوق سے متعلق ہیں۔ اگرچہ آرٹیکل 29 مملکت کے ہر شعبے اور ہیت ہائے مجاز کو اپنے کار ہائے منصبی ان اصولوں کے مطابق نبھانے کا کہتا ہے، تاہم اسی آرٹیکل میں ہے کہ "جہاں تک حکمتِ عملی کے کسی مخصوص اصول پر عمل کرنے کا انحصار اس غرض کے لیے وسائل کے میسر ہونے پر ہو تو وہ اصول ان وسائل کی دستیابی سے

وفاقی وصوبائی سطح پر بنیادی حقوق کا نظام

نظم ونسق کی سطح	انسانی حقوق کے قوانین	ادارے	پارلیمانی طریق کار	عدلیہ
وفاق	قومی کمیشن برائے انسانی حقوق-2012 قومی کمیشن برائے حقوقِ اطفال قومی کمیشن برائے حقوقِ نسواں	وفاقی وزارت برائے انسانی حقوق بین الاقوامی معاہدوں پر عملدرآمد کا سیل	فنکشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق-سینٹ قائمہ کمیٹی برائے انسانی حقوق-قومی اسمبلی	انسانی حقوق کا سیل
پنجاب	--------	وزارت برائے انسانی حقوق واقلیتی امور	قائمہ کمیٹی	انسانی حقوق چوکسی سیل
سندھ	سندھ تحفظ انسانی حقوق ایکٹ 2011	وزارت قانون، پارلیمانی امور اور انسانی حقوق	قائمہ کمیٹی	-----
خیبر پختونخوا	خیبر پختونخوا انسانی حقوق فروغ، تحفظ اور نفاذ ایکٹ-2014	وزارت قانون، پارلیمانی امور و انسانی حقوق	قائمہ کمیٹی	انسانی حقوق سیل
بلوچستان	--------	وزارت برائے سماجی بہبود، خصوصی تعلیم اور انسانی حقوق	قائمہ کمیٹی	-----

گلگت بلتستان خودمختیاری آرڈر 2009 میں بنیادی حقوق کا باب ہے۔
آزاد جموں وکشمیر کے عبوری آئین 1974 میں بھی بنیادی حقوق کا باب ہے۔

مشروط تصور کیا جائے گا۔" دکھ کی بات یہ ہے کہ حکمتِ عملی کے زیادہ تر اصولوں پر وسائل کی عدم دستیابی کا بہانہ بنا کر ریاست نے وہ کام نہیں کیے جن کا یہ اصول حکم دیتے ہیں۔

اسی طرح، یہ آرٹیکل کہتا ہے کہ صدرِ مملکت ہر سال وفاقی حکومت کی ان اصولوں پر عملدرآمد کی رپورٹ مجلس شوریٰ (پارلیمان) کے ہر ایک ایوان (سینٹ آف پاکستان اور قومی اسمبلی آف پاکستان) کے سامنے رکھیں۔ جبکہ صوبائی گورنرز اپنے صوبے کے حوالے سے ایسی رپورٹ صوبائی اسمبلی کے سامنے رکھیں گے۔

آئین کی منشاء یہ تھی کہ ان رپورٹوں پر سینٹ اور اسمبلیوں میں بحث ہو گی۔ ایسا فقط ایک بار سینٹ آف پاکستان میں ہوا جبکہ برسوں یہ رپورٹیں پیش ہی نہیں کی جاتیں۔ سندھ اور بلوچستان میں آج تک ایسی کوئی رپورٹ پیش نہیں کی جاسکی۔

انسانی حقوق کا ارتقاء انسانی دانش اور شعور کی اجتماعی میراث ہے۔ تہذیبی سفر میں مختلف معاشروں میں بل آف رائٹس کی صورت میں دستاویزات سامنے آئیں تو بعض ممالک میں یہ سفر پارلیمانی اداروں میں طے ہوا۔ بنیادی حقوق کا تصور انسانی حقوق کے سمندر سے چنے وہ حقوق ہیں جو ممالک اپنے آئین میں لکھ کر شہریوں کو یہ ضمانت دیتے ہیں کہ اگر یہ حق نہ ملے تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جاسکتا ہے۔

پاکستان کی آئینی اسکیم میں بنیادی حقوق کی فراہمی یقینی بنانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ آئین کے آرٹیکل 7 میں ریاست کی تعریف بنیادی حقوق کے باب میں کچھ اس طرح کی گئی ہے۔ "تاوقتیکہ سیاق وسباق سے کچھ اور مفہوم نہ نکلتا ہو، مملکت سے وفاقی حکومت، مجلس شوریٰ (پارلیمان) کوئی صوبائی حکومت، کوئی صوبائی اسمبلی اور پاکستان میں ایسی مقامی ہیئت ہائے مجاز مراد ہیں جن کو ازروئے قانون کوئی محصول یا چونگی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہو۔" گویا بنیادی حقوق کی فراہمی وفاقی، صوبائی اور مقامی سطح کی تمام حکومتوں اور پارلیمانی اداروں کی ذمہ داری ہے۔

آرٹیکل 8 یہ بھی کہتا ہے کہ مملکت کوئی ایسا قانون وضع نہیں کرے گی جو بایں طور عطا کردہ حقوق کو سلب یا کم کرے اور ہر وہ قانون جو اس شق کی خلاف ورزی میں وضع کیا جائے اس خلاف ورزی کی حد تک کالعدم ہوگا۔ تاہم، یہ بات پرکھنے کا حق عدالت کے پاس تھا۔ 2012ء میں قیام میں آنے والے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق ایکٹ میں کمیشن کے دیگر کارہائے منصبی کے ساتھ یہ بات بھی شامل تھی کہ کمیشن انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور یا فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون کے تحت یا کسی بھی جانب سے فراہم کردہ تحفظات پر نظر ثانی کرے گا۔

بنیادی حقوق کے باب میں جو پہلا حق تسلیم کیا گیا ہے وہ ہے "بنیادی حقوق کے نقیض یا منافی قوانین کالعدم ہوں گے۔" اس طرح رسم و رواج کے نام پر بنیادی حقوق نہیں چھینے جاسکتے۔ آئین بناتے وقت جدول اوّل کے بصہ دوئم میں 39 وفاقی اور 7 صوبائی قوانین، آرڈیننس، صدارتی حکم نامے اور ضابطوں کی فہرست دی گئی جن کا دو سال میں جائزہ لے کر انہیں بنیادی حقوق کے مطابق ڈھالنا تھا۔ اس حتمی تاریخ (Deadline) میں فقط چھ ماہ تک توسیع ہوسکتی تھی۔ تاریخی اعتبار سے یہ کام 1976 میں قومی اسمبلی نے مکمل کیا اور بعدازاں سینٹ آف پاکستان کی منظوری کے بعد 26 اپریل 1976ء کو بنیادی حقوق سے مطابقت (قوانین میں ترامیم) ایکٹ وفاقی دارالحکومت منظور کیا گیا اور چار قوانین کو بنیادی حقوق کے مطابق بنایا گیا۔

آرٹیکل 8 یہ بھی کہتا ہے کہ مملکت کوئی ایسا قانون وضع نہیں کرے گی جو بایں طور عطا کردہ حقوق کو سلب یا کم کرے اور ہر وہ قانون جو اس شق کی خلاف ورزی میں وضع کیا جائے اس خلاف ورزی کی حد تک کالعدم ہوگا۔ تاہم، یہ بات پرکھنے کا حق عدالت کے پاس تھا۔ 2012ء میں قیام میں آنے والے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق ایکٹ میں کمیشن کے دیگر کارہائے منصبی کے ساتھ یہ بات بھی شامل تھی کہ کمیشن انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور یا فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون کے تحت یا کسی بھی جانب سے فراہم کردہ تحفظات پر نظرثانی کرے گا اور نئی قانون سازی کے انتخاب، موجودہ قوانین کی ترمیم کی سفارش کرے گا اور اس پر عملدرآمد یا ترمیم کی خاطر انتظامی اقدامات کرے گا۔"

اس حوالے سے شرط یہ رکھی گئی کہ اس کام کے لیے درخواست حکومت کرے گی اور کمیشن کسی بھی قانون سازی کی جانچ پڑتال کر سکے گا اور اس پر نقطہ نظر دے گا اور قانون سازی کے لیے اس کے مفہوم میں رائے دے گا۔

اس کو ایک اہم پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ ابھی تک اس راستے کا حکومت نے انتخاب نہیں کیا۔

قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے طاقت اور آتشیں اسلحہ کے استعمال پر بنیادی اصول

جرم کی روک تھام اور مجرموں کے ساتھ سلوک پر اقوامِ متحدہ کی آٹھویں کانگریس نے منظور کیے

27 اگست سے 7 ستمبر 1990، ہوانا، کیوبا

ذیل میں بیان کردہ بنیادی اصول قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے بہتر کردار کو یقینی بنانے اور فروغ دینے کے لیے رُکن ممالک کی مدد کے لیے بنائے گئے ہیں۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ملکی قانون سازی اور عملی اقدامات کے نظام میں اِن کا پاس اور احترام کریں۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے ساتھ ساتھ دیگر افراد، جیسے کہ ججوں، استغاثہ، وکلاء، کابینہ اور پارلیمان کے اراکین، اور عوام کی توجہ بھی اِس جانب دلاتے رہیں۔

جبکہ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کا کام سماجی خدمت ہے جو کہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اِس لیے اِن اہلکاروں کے کام کار کے حالات اور حیثیت کو برقرار رکھنے اور جہاں ضروری ہو اُنہیں بہتر بنانے کی ضرورت ہے،

جبکہ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی زندگی اور حفاظت کو درپیش خطرے کو مجموعی طور پر معاشرے کے استحکام کو خطرہ تصور کرنا چاہیے،

جبکہ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کا انسان کے حقِ زندگی، آزادی اور سلامتی کے تحفظ میں اہم کردار ہے۔ اس حق کی انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے نے ضمانت دی تھی اور پھر شہریتی وسیاسی حقوق کے عالمی معاہدے نے توثیق کی تھی،

جبکہ قیدیوں کے ساتھ سلوک کے کم از کم معیاری ضوابط ایسے حالات کا تعین کرتے ہیں جن میں جیل کے اہلکار اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں،

جبکہ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے ضابطہ اخلاق کا آرٹیکل 3 یہ کہتا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اہلکار صرف اُس وقت طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں جب انتہائی ضروری ہو اور صرف اُسی حد تک جس حد تک اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی کے لیے ضروری ہو،

جبکہ جرائم کی روک تھام اور مجرموں کے ساتھ سلوک سے متعلق اقوامِ متحدہ کی ساتویں کانگریس کی تیاری کا اجلاس، اٹلی کے شہر ویرینا میں منعقد ہوا، جس میں قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال پر پابندیوں پر مزید کام کے دوران ان امور پر غور کرنے پر اتفاق کیا گیا،

جبکہ ساتویں کانگریس نے اپنی قرارداد 14 میں، دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ اس بات پر زور دیا کہ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کے دوران انسانی حقوق کے احترام کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے،

جبکہ 21 مئی 1986 کو معاشی وسماجی کونسل نے اپنی قرارداد 1986 / 10، سیکشن IX میں رُکن ممالک کو قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال پر قواعد وضوابط کے نفاذ پر خصوصی توجہ دینے کی دعوت دی، اور جنرل اسمبلی نے 4 دسمبر 1986 کی اپنی قرارداد 41 / 149 میں، دیگر امور کے ساتھ، کونسل کی اِس سفارش کا خیر مقدم کیا،

جبکہ یہ بہتر ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی ذاتی حفاظت کے حوالے سے، انصاف کی فراہمی کے سلسلے میں اُن کے کردار، فرد کے حقِ زندگی، آزادی اور سلامتی کے تحفظ، عوام کے تحفظ اور سماجی امن کو برقرار رکھنے کی اُن کی ذمہ داری اور اُن کی قابلیت، تربیت اور طرزِ عمل کی اہمیت پر غور کیا جائے،

ذیل میں بیان کردہ بنیادی اصول قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے بہتر کردار کو یقینی بنانے اور فروغ دینے کے لیے رُکن ممالک کی مدد کے لیے بنائے گئے ہیں۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ملکی قانون سازی اور عملی اقدامات کے نظام میں اِن کا پاس اور احترام کریں۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے ساتھ ساتھ دیگر افراد، جیسے کہ ججوں، استغاثہ، وکلاء، کابینہ اور پارلیمان کے اراکین، اور عوام کی توجہ بھی اِس جانب دلاتے رہیں۔

عام دفعات

1۔ حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے لوگوں کے خلاف طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال سے متعلق قواعد وضوابط اپنائیں اور ان پر عمل درآمد کریں۔ اس طرح کے قواعد وضوابط کو تیار کرنے میں، حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال سے منسلک اخلاقی مسائل کو ہمیشہ مدِ نظر رکھیں گے۔

2۔ حکومتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہر ممکن حد تک وسیع تر ذرائع تیار کرنے چاہئیں اور قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کو مختلف قسم کے ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لیس کرنا چاہیے تا کہ اُنہیں طاقت اور آتشیں اسلحے کے مختلف استعمال کا موقع مل سکے۔ ان میں غیر مؤثر کرنے والے غیر مہلک ہتھیاروں کی تیاری شامل ہونی چاہیے جو مناسب حالات میں استعمال کیے جائیں، تا کہ لوگوں کی موت یا چوٹ کا باعث بننے والے ہتھیاروں کے استعمال کو تیزی سے روکا جا سکے۔ اِسی مقصد کے لیے، قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے لیے یہ بھی ممکن ہونا چاہیے کہ وہ اپنے دفاعی آلات جیسے شیلڈ، ہیلمٹ، بُلٹ پروف

جیکٹ اور بُلٹ پروف نقل وحمل کے ذرائع سے لیس ہوں، تاکہ کسی بھی قسم کے ہتھیاروں کے استعمال کی ضرورت کوکم کیا جاسکے۔

3۔ غیر مؤثر کرنے والے غیر مہلک ہتھیاروں کی تیاری اور تنصیب کا احتیاط سے جائزہ لیا جانا چاہیے تا کہ غیر ملوث افراد کو خطرے میں ڈالنے کے خدشے کو کم سے کم کیا جا سکے، اور ایسے ہتھیاروں کے استعمال میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیے۔

4۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکار، اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں، جہاں تک ممکن ہو، طاقت اور آتشیں اسلحے کا سہارا لینے سے پہلے عدم تشدد کا راستہ اختیار کریں گے۔ وہ طاقت اور آتشیں اسلحے کا استعمال صرف اُسی صورت میں کر سکتے ہیں جب دیگر ذرائع غیر موثر رہیں یا مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے کے کسی وعدے کے بغیر۔

5۔ جب بھی طاقت اور آتشیں اسلحے کا جائز استعمال ناگزیر ہو، قانون نافذ کرنے والے اہلکار:

الف۔ اس طرح کے استعمال میں تحمل کا مظاہرہ کریں اور جرم کی سنگینی اور حاصل کیے جانے والے جائز مقصد کے تناسب سے عمل کریں۔

ب۔ نقصان اور چوٹ کو کم سے کم کریں، اور انسانی زندگی کا احترام اور تحفظ کریں؛

ج۔ اس بات کو یقینی بنائیں کہ زخمی یا متاثرہ افراد کو جلد از جلد امداد اور طبی امداد فراہم کی جائے؛

د۔ اس بات کو یقینی بنائیں کہ زخمی یا متاثرہ شخص کے رشتہ داروں یا قریبی دوستوں کو جلد از جلد مطلع کیا جائے۔

6۔ اگر قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال سے چوٹ لگتی ہے اور موت واقع ہوتی ہے تو وہ اصول 22 کے مطابق اپنے اعلیٰ افسران کو واقعے کی فوری اطلاع دیں گے۔

7۔ حکومتیں قانون نافذ کرنے والے اُن اہلکاروں کو اپنے فوجداری قانون کے مطابق سزا دیں گی جو طاقت اور آتشیں اسلحے کا من مانا یا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔

8۔ داخلی سیاسی عدم استحکام یا کسی دیگر ملکی ہنگامی صورتحال جیسے غیر معمولی حالات کا بہانہ بنا کر اِن بنیادی اصولوں سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔

خاص دفعات

قانون نافذ کرنے والے اہلکار لوگوں کے خلاف آتشیں اسلحے کا استعمال نہیں کریں گے سوائے اپنے دفاع یا موت یا شدید چوٹ کیفوری خطرے کے خلاف دیگر افراد کے دفاع کے لیے، کسی خاص طور پر سنگین جرم کے ارتکاب کو روکنے کے لیے جس میں زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے، ایسے خطرے کا سبب بننے والے یا اُن کے اختیار کے خلاف مزاحمت کرنے والے فرد کے خلاف، یا اُس فرد کے فرار کو روکنے کے لیے، اور صرف اُس صورت میں جب کم متشدد ذرائع اِن مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ناکافی ہوں۔ کسی بھی صورت میں، آتشیں اسلحے کا جان بوجھ کر مہلک استعمال صرف اُس صورت میں کیا جاسکتا ہے جب جان کی حفاظت کے لیے انتہائی ناگزیر ہو۔

9۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکار لوگوں کے خلاف آتشیں اسلحے کا استعمال نہیں کریں گے سوائے اپنے دفاع یا موت یا شدید چوٹ کیفوری خطرے کے خلاف دیگر افراد کے دفاع کے لیے، کسی خاص طور پر سنگین جرم کے ارتکاب کو روکنے کے لیے جس میں زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے، ایسے خطرے کا سبب بننے والے یا اُن کے اختیار کے خلاف مزاحمت کرنے والے فرد کے خلاف، یا اُس فرد کے فرار کو روکنے کے لیے، اور صرف اُس صورت میں جب کم متشدد ذرائع اِن مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ناکافی ہوں۔ کسی بھی صورت میں، آتشیں اسلحے کا جان بوجھ کر مہلک استعمال صرف اُس صورت میں کیا جا سکتا ہے جب جان کی حفاظت کے لیے انتہائی ناگزیر ہو۔

10۔ اصول 9 کے تحت بیان کردہ حالات میں، قانون نافذ کرنے والے اہلکار اپنی شناخت اس طرح کروائیں گے، اور آتشیں اسلحے کے استعمال کے اپنے ارادے کے بارے میں واضح انتباہ دیں گے، انتباہ پر عملدرآمد کے لیے درکار وقت دیں گے، ماسوائے اس کے کہ ایسا کرنا قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کو خطرے سے دوچار کر سکتا ہو یا دیگر افراد کی موت یا شدید چوٹ کا باعث بن سکتا ہو یا واقعے کے حالات میں غیر مناسب یا بیسود ہو۔

11۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے آتشیں اسلحے کے استعمال سے متعلق قواعد وضوابط میں یہ رہنما ہدایات شامل ہونی چاہئیں کہ

الف۔ اُن حالات کی وضاحت کریں جن کے تحت قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کو آتشیں اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے اور آتشیں اسلحہ اور گولہ بارود کی اقسام بھی بتائیں جو انہیں رکھنے کی اجازت ہے؛

ب۔ اِس بات کو یقینی بنائیں کہ آتشیں اسلحے کا استعمال صرف مناسب حالات میں اور غیر ضروری نقصان کے خطرے کو کم کرنے کے انداز میں کیا جائے؛

ج۔ ایسے آتشیں اسلحے اور گولہ بارود کے استعمال پر پابندی لگائیں جو غیر ضروری چوٹ کا باعث بنیں یا غیر ضروری خطرہ پیش کریں۔

د۔ آتشیں اسلحے کے کنٹرول، ذخیرے اور اجراء کو ضابطے میں لائیں جن میں ایسے ضوابط بھی ہوں جو قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کو اُن کے آتشیں اسلحے اور گولہ بارود کے لیے جوابدہ ٹھہرا سکیں؛

ہ۔ اگر مناسب ہو تو آتشیں اسلحے کے استعمال سے پہلے خبردار کریں؛

و۔ جب بھی قانون نافذ کرنے والے اہلکار اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں آتشیں اسلحے کا استعمال کریں تو رپورٹنگ کا نظام فراہم کریں۔

غیر قانونی اجتماعات سے نبٹنا

12۔ جیسا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ اور شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے میں شامل اصولوں کے مطابق ہر کسی کو قانونی اور پرامن اجتماعات میں شرکت کی اجازت ہے، حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اور اہلکار اِس بات کو تسلیم کریں گے کہ طاقت اور آتشیں اسلحہ صرف اور صرف اصول 13 اور 14 کے مطابق استعمال کیا جاسکتا ہے۔

13۔ غیر قانونی لیکن غیر متشدد اجتماعات کو منتشر کرنے کے لیے قانون نافذ کرنے والے اہلکار طاقت کے استعمال سے گریز کریں گے یا جہاں یہ تدبیر کارگر نہیں ہے وہاں ایسی طاقت کو صرف ضروری حد تک محدود رکھیں گے۔

14۔ پُرتشدد اجتماعات کو مُنتشر کرنے میں، قانون نافذ کرنے والے اہلکار آتشیں اسلحے کا استعمال صرف اُس صورت میں کر سکتے ہیں جب کم خطرناک ذرائع کارگر نہ ہوں اور صرف ضروری حد تک استعمال کریں۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکار ایسے معاملات میں آتشیں اسلحے کا استعمال نہیں کریں گے، ماسوائے اس کے کہ اصول 9 میں دی گئی شرائط کے تحت۔

زیر حراست یا زیر تحویل افراد سے نبٹنا

15۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکار، زیر تحویل یا زیر حراست افراد کے ساتھ اپنے تعلقات میں طاقت کا استعمال نہیں کریں گے، سوائے اس کے کہ جب ادارے کے اندر

سیکیورٹی اور نظم ونسق برقرار رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہو، یا جب ذاتی تحفظ کو خطرہ درپیش ہو۔

16۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکار زیر تحویل یا زیر حراست افراد کے ساتھ اپنے تعلقات میں، آتشیں اسلحے کا استعمال نہیں کریں گے، سوائے اپنے دفاع کے لیے یا دیگر افراد کو موت یا شدید چوٹ کے فوری خطرے سے بچانے کے لیے، یا جب ایسے زیر تحویل یا زیر حراست افراد کے فرار کو روکنے کے لیے انتہائی ضروری ہو جو اصول 9 میں مذکور خطرے کا سبب بن رہے ہوں۔

17۔ درج بالا اصول جیل حکام کے اُن حقوق، فرائض اور ذمہ داریوں پر منفی طور پر اثر انداز نہیں ہوتے جن کا ذکر قیدیوں کے ساتھ سلوک کے معیاری کم از کم ضوابط خاص طور پر ضابطہ نمبر 33، 34 اور 54 میں ہے۔

قابلیت، تربیت اور مشاورت

18۔ حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ قانون نافذ کرنے والے تمام عہدیداروں کا انتخاب مناسب جانچ پڑتال کے بعد کیا گیا ہے، وہ اپنے فرائض کو مؤثر طریقے سے انجام دینے کے لیے مناسب اخلاقی، نفسیاتی اور جسمانی خصوصیات کے مالک ہیں اور مسلسل اور مکمل پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ان افعال کو انجام دینے کے لیے اُن کی اہلیت کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جانا چاہیے۔

19۔ حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ قانون نافذ کرنے والے تمام اہلکاروں کو تربیت فراہم کی جائے اور طاقت کے استعمال میں اُن کی مہارت کا امتحان لیا جائے۔ قانون نافذ کرنے والے وہ اہلکار جن کو آتشیں اسلحہ رکھنے کی ضرورت ہے اُنہیں صرف اُس کے استعمال کی خصوصی تربیت کی تکمیل کے بعد ایسا کرنے کا اختیار دیا جانا چاہیے۔

20۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی تربیت میں، حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے پولیس کی اخلاقیات اور انسانی حقوق کے مسائل پر خاص توجہ دیں گے، خاص طور پر تفتیشی عمل میں، طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کے بجائے کوئی اور ذریعہ استعمال کرنے پر، بشمول تنازعات کا پرامن حل۔ ہجوم کے رویے کی سمجھ بوجھ، اور قائل کرنے، گفت وشنید اور ثالثی کے طریقوں کے ساتھ ساتھ تکنیکی ذرائع سے، اِس نقطہ نظر سے کہ طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کو کم کیا جائے۔

قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی تربیت میں، حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے پولیس کی اخلاقیات اور انسانی حقوق کے مسائل پر خاص توجہ دیں گے، خاص طور پر تفتیشی عمل میں، طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کے بجائے کوئی اور ذریعہ استعمال کرنے پر، بشمول تنازعات کا پرامن حل۔ ہجوم کے رویے کی سمجھ بوجھ، اور قائل کرنے، گفت وشنید اور ثالثی کے طریقوں کے ساتھ ساتھ تکنیکی ذرائع سے، اِس نقطہ نظر سے کہ طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کو کم کیا جائے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو خاص واقعات کی روشنی میں اپنے تربیتی پروگراموں اور عملی کارروائیوں کے طریقہ کار کا جائزہ لینا چاہیے۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو خاص واقعات کی روشنی میں اپنے تربیتی پروگراموں اور عملی کارروائیوں کے طریقہ کار کا جائزہ لینا چاہیے۔

21۔ حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں قانون نافذ کرنے والے اُن اہلکاروں کو تناؤ کے حالات میں کام کرنے کے بارے میں مشاورت فراہم کریں گی جو ایسے حالات میں کام کر رہے ہیں جہاں طاقت اور آتشیں اسلحے کا استعمال کیا جاتا ہے۔

رپورٹنگ اور نظر ثانی کرنے کے طریقہ کار

22۔ حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اصول 6 اور 11(و) میں بتائے گئے تمام واقعات کے لیے رپورٹنگ اور جائزہ کے مؤثر طریقہ کار لاگو کریں گے۔ اِن اصولوں کے مطابق رپورٹ ہونے والے واقعات کے لیے، حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ جائزہ لینے کا ایک مؤثر عمل دستیاب ہے اور یہ کہ انتظامیہ یا استغاثہ کے خودمختار حکام مناسب حالات میں دائرہ اختیار استعمال کرنے کی حالت میں ہیں۔ موت اور شدید چوٹ یا دیگر سنگین نتائج کی صورت میں انتظامی جائزے اور عدالتی کنٹرول کے ذمہ دار مجاز حکام کو فوری طور پر ایک تفصیلی رپورٹ بھیجی جائے گی۔

23۔ طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال سے متاثر ہونے والے افراد یا اُن کے قانونی نمائندوں کو عدالتی کارروائی سمیت ایک آزاد عمل تک رسائی حاصل ہوگی۔ ایسے افراد کی موت کی صورت میں، یہ شق اُن کے زیر کفالت افراد پر لاگو ہوگی۔

24۔ اگر اعلیٰ افسران جانتے ہیں، یا اُن کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اُن کے ماتحت قانون نافذ کرنے والے اہلکار طاقت اور آتشیں اسلحے کے غیر قانونی استعمال کا سہارا لے رہے ہیں، یا اس کا سہارا لے چکے ہیں، اور اس طرح کے استعمال کو روکنے، دبانے یا رپورٹ کرنے کے لیے اُنہوں نے اپنے اختیار میں تمام ضروری اقدامات نہیں کیے تو حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ اُن اعلیٰ افسران کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔

25۔ حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اِس بات کو یقینی بنائیں گے کہ قانون نافذ کرنے والے اُن اہلکاروں کے خلاف کوئی فوجداری یا تادیبی کارروائی نہیں کی جائے گی جو قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کیلیے ضابطہ اخلاق اور اِن اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کے حکم پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں، یا جو دیگر اہلکاروں کی طرف سے اِس طرح کے استعمال کو رپورٹ کرتے ہیں۔

26۔ اگر قانون نافذ کرنے والے اہلکار جانتے ہوں کہ طاقت اور آتشیں اسلحے کے استعمال کا حکم جس کے نتیجے میں کسی شخص کی موت یا شدید چوٹ ہوئی، واضح طور پر غیر قانونی ہے اور اِن کے پاس اس پر عمل کرنے سے انکار کرنے کا معقول موقع ہے تو اُس صورت میں وہ اعلیٰ احکامات کی اطاعت کا جواز پیش نہیں کر سکتے۔ مگر اِس کے باوجود کسی بھی طرح کی صورتحال میں وہ اعلیٰ افسران بھی ذمہ دار ہوں گے جنہوں نے غیر قانونی احکامات دیے تھے۔

قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کے ضابطہ اخلاق کے آرٹیکل 1 کی تفسیر کے مطابق، اصطلاح "قانون نافذ کرنے والے اہلکار" میں قانون کے وہ تمام افسران شامل ہیں، چاہے وہ مقرر ہوں یا منتخب ہوں، جو پولیس کے اختیارات استعمال کرتے ہیں، خاص طور پر گرفتاری یا حراست کے اختیارات۔ اُن ممالک میں جہاں پولیس کے اختیارات فوجی حکام کے ذریعے استعمال کیے جاتے ہیں، چاہے وہ وردی میں ہوں یا نہ ہوں، یا ریاستی سیکورٹی فورسز کے ذریعے تو پھر قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی تعریف میں ایسی سروسز کے افسران شامل ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ)

10 دسمبر کا دن ہم کیوں مناتے ہیں

اخونزادہ اظہار الدین

دوسری جنگ عظیم میں تقریباً 70 ملین شہری اور جنگجو مارے گئے، لاکھوں بے گھر ہو گئے، اور لاکھوں نے پناہ گزینوں کے طور پر غیر یقینی کی زندگی شروع کی۔ ان تباہ کاریوں کے بعد اقوام متحدہ کی بنیاد جون 1945 میں رکھی گئی تھی۔

اقوام متحدہ چارٹر کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے کہ،" ہم لوگ (اقوام متحدہ) بنیادی انسانی حقوق کی تحفظ اور قدر کی تصدیق کے لیے، مردوں اور عورتوں، چھوٹے اور بڑے قوموں کے مساوی حقوق کی تحفظ کے لے پر عزم ہیں"۔
اقوام متحدہ چارٹر کے آرٹیکل 68 میں کہا گیا ھے کہ اقتصادی اور سماجی کونسل انسانی حقوق کی فروغ اور تحفظ کے لیے کمیشن قائم کرے گی"۔

1947 میں اقتصادی اور سماجی کونسل کی طرف سے 18 ممبرز پر مشتمل کمیشن برائے انسانی حقوق قائم کیا گیا۔

اس کمیشن کی صدارت سابق امریکن صدر فرینکلن روزویلٹ کی اہلیہ ایلینر روزویلٹ نے کی۔ رین کیسین فرانس کے نمائندہ تھے۔ اس کمیشن کی ممبر بنے سے پہلے وہ کونسل اف سٹیٹ فرانس کے صدر تھے اور بعد میں یورپین کورٹ اف ہیومن رائٹس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس کمیشن میں ان کے ساتھ کینیڈا سے جان ہمفری، چین سے چانگ پینگ چن، لبنان سے چارلس حبیب ملک، انڈیا سے حسنہ مہتا اور مختلف سیاسی، ثقافتی، مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے دوسرے ممالک کے نمائندے شامل تھے۔

کمیشن برائے انسانی حقوق نے تین ورکنگ گروپس بنانے کا فیصلہ کیا۔

ایک ورکنگ گروپ کو انسانی حقوق کے لیے قانون اور اصول بنانے کا ٹاسک دیا گیا تھا۔

دوسرے ورکنگ گروپ کا کام عالمی سطح پر انسانی حقوق کی تحفظ کے لیے معاہدے اور قانون بنانا تھا۔ تیسرا مانیٹرنگ میکانزم پر ایک ورکنگ گروپ تھا۔ جو کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق کی تحفظ کے طریقہ کار کے لیے بنایا گیا تھا۔

دو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد کمیشن برائے انسانی حقوق نے اقوام متحدہ کی 56 ممالک پر مشتمل جنرل اسمبلی کے سامنے Universal Declaration of Human Rights پیش کیا۔

10 دسمبر، 1948، آدھی رات سے پہلے جنرل اسمبلی کی 48 ممالک نے متفقہ طور پر اس اعلامیہ کو منظور کیا۔ ان ممالک میں پاکستان بھی شامل تھا۔ اس وقت کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے جنرل اسمبلی کی اجلاس میں شرکت کی۔ اور

اس کمیشن کی صدارت سابق امریکن صدر فرینکلن روزویلٹ کی اہلیہ ایلینر روزویلٹ نے کی۔ رین کیسین فرانس کے نمائندہ تھے۔ اس کمیشن کی ممبر بنے سے پہلے وہ کونسل اف سٹیٹ فرانس کے صدر تھے اور بعد میں یورپین کورٹ اف ہیومن رائٹس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس کمیشن میں ان کے ساتھ کینیڈا سے جان ہمفری، چین سے چانگ پینگ چن، لبنان سے چارلس حبیب ملک، انڈیا سے حسنہ مہتا اور مختلف سیاسی، ثقافتی، مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے دوسرے ممالک کے نمائندے شامل تھے۔

اس اعلامیہ کے حق میں ووٹ دیا۔ باقی 6 ممالک موقع پر موجود نہیں تھیں۔ جن میں جنوبی افریقہ، پولینڈ، بیلاروس، چیکوسلواکیہ، یوگوسلاویہ اور یوکرائن شامل تھیں۔

باقی دو ممالک سویت یونین اور سعودی عرب کے نمائندے جنرل اسمبلی کے اس اجلاس میں موجود تھے، لیکن ووٹ دینے سے انکار کیا۔ بلکہ ایک کونے میں بیٹھ کر خاموش تماشائی بن گئے۔ سویت یونین اس وقت ایک کیمونسٹ ملک تھا۔ وہ اس بات سے خوفزدہ تھے۔ کہ اس اعلامیہ کے حق میں ووٹ دینے سے اقوام متحدہ کو ان کے داخلی معاملات میں مداخلت کی اجازت ملے گی۔ لہذا وہ اس اعلامیہ کے حق میں ووٹ دینے سے باز رہے۔ سعودی عرب نے اس وجہ سے ووٹ نہیں دیا۔ کیونکہ اسلام کو اختیار کرنے کے بعد دوسرا مذہب اختیار کرنا، اسلام میں منع ہے۔ جبکہ اس اعلامیہ کے آرٹیکل 18 میں دوسرا مذہب اختیار کرنے کا حق دیا گیا تھا۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور 30 ارٹیکل پر مشتمل ہیں۔ ارٹیکل 2 سے 21 تک شہری اور سیاسی حقوق کے بارے میں کیا گیا ہیں۔ جن میں تشدد کے خلاف اواز اٹھانے کا حق، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے مؤثر علاج کا حق، حکومت میں حصہ لینے کا حق، پرامن اجتماع کا حق، غلامی سے ازادی کا حق شامل ہیں۔ آرٹیکل 22 سے لے کر 27 تک معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق، جیسے کام کرنے کا حق، تعلیم کا حق، صحت اور صحت مراکز تک رسائی کا حق، ٹریڈ یونین بنانے اور اس میں شامل ہونے کا حق، کمیونٹی کی ادبی، فنکارانہ اور ثقافتی زندگی میں آزادانہ طور پر حصہ لینے کا حق شامل ہیں۔ ارٹیکل 28 سے 30 تک اجتماعی حقوق کے بارے میں بتایا گیا ہیں۔

یہ اعلامیہ ایک ہی متن میں سول، معاشی، سیاسی، سماجی، اور ثقافتی حقوق بیان کرتا ہیں۔ جنہیں بعد میں مختلف کونشنز اور پروٹوکول کے ذریعے الگ کر دیا گیا ھے۔ اج دنیا میں انسانی حقوق کے حصول سے متعلق تقریباً دو سو مختلف اعلامیے، کونشنز، پروٹوکول، معاہدات، چارٹر اور معاہدے موجود ہیں۔

اس تناظر میں 10 دسمبر اب ہر سال انسانی حقوق کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔

بیوی شوہر کے گھر پر غیر محفوظ ہو تو وہ تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کر سکتی ہے: سپریم کورٹ

شہزاد ملک

سپریم کورٹ نے شوہر اور سسرال کے ظلم و ستم اور ناروا سلوک کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کو درست قرار دے دیا ہے۔

سپریم کورٹ نے قرار دیا ہے کہ بیوی ذہنی یا جسمانی ظلم کی بنیاد پر شوہر سے تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کرنے کا حق رکھتی ہے۔ جسٹس سردار طارق مسعود کی سربراہی میں جسٹس امین الدین خان اور جسٹس محمد علی مظہر پر مشتمل سپریم کورٹ کے تین رکنی بینچ نے یہ فیصلہ تنسیخ نکاح سے متعلق پشاور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل منظور کرتے ہوئے دیا۔

یہ فیصلہ جسٹس محمد علی مظہر نے تحریر کیا ہے جس میں 'قانونِ محمدیٰ' کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ 'اگر بیوی پر سسرال میں ظلم ہو رہا ہو اور وہ خاوند کے گھر میں غیر محفوظ ہو تو وہ تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر سکتی ہے۔'

عدالت نے تشدد کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کو خلع کے ذریعے شادی کے خاتمے میں تبدیل کرنے کے اپیلیٹ کورٹ اور پشاور ہائی کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے فیملی کورٹ کے فیصلے کو بحال کیا ہے۔

فیصلے میں قرار دیا گیا ہے کہ 'مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی بندھن پاکیزہ رشتہ ہے جو زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہ رشتہ میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کی خوشی اور ہمدردی کے جذبات کو پروان چڑھاتا ہے اور اس پر ہی خاندانی نسب اور وراثت کا بھی انحصار ہوتا ہے۔'

فیصلے میں کہا گیا ہے کہ 'ازدواجی رشتہ نرمی، انسانی اور جذباتی وابستگی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جس کے لیے باہمی اعتماد، احترام، وقار، محبت اور پیار کی ضرورت ہوتی ہے اور اس لیے یہ اہم رشتہ معاشرتی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے جیسا کہ دینِ اسلام شوہر کو خوراک، لباس، رہائش اور دیگر تمام ضروریات زندگی فراہم کرنے کا حکم دیتا ہے، اسی طرح مرد سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار اور محبت کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے گا۔'

معاملہ شروع کب ہوا تھا؟

فیصلے میں کہا گیا ہے کہ 'ایسا طرزِ عمل یا رویہ جو بیوی کے لیے ذہنی اذیت اور جسمانی تکلیف کا باعث بنتا ہے اس کے لیے ازدواجی بندھن کو برقرار رکھنا ناممکن بنا دیتا ہے تو وہ تنسیخ نکاح کے دعوے کی حق دار ہے۔'

واضح رہے کہ پشاور کی رہائشی ایک خاتون نے سنہ 2014 میں اپنے شوہر کے ناروا سلوک کی بنیاد پر تنسیخ نکاح اور حق مہر کی ادائیگی کا دعویٰ دائر کیا تھا۔

فیملی کورٹ نے دعویٰ منظور کیا جبکہ اپیلیٹ کورٹ نے فیصلے کے خلاف اپیل جزوی طور پر منظور کر کے ناروا سلوک کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کو خلع میں تبدیل کر دیا اور بیوی کو حق مہر کا پانچ تولہ سونا یا مارکیٹ ریٹ کے مطابق مساوی رقم شوہر کو واپس کرنے کا حکم دیا تھا۔

پشاور ہائی کورٹ نے فیصلے کے خلاف اپیل مسترد کر دی تھی۔

تاہم اب سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ اور اپیلیٹ کورٹ کا فیصلہ کالعدم کر کے فیملی کورٹ کا فیصلہ بحال کر دیا اور قرار دیا ہے کہ 'شوہر کا بیوی کے دعوے کے جواب میں ازدواجی حقوق پورے نہ کرنے کا مؤقف مہر کی ادائیگی سے بچنے کا محرک ہو سکتا ہے۔'

فیصلے میں مزید کیا کہا گیا ہے؟

فیصلے میں کہا گیا ہے کہ 'فریقین کے درمیان بنیادی اختلاف کے سبب یہ سوال تھا کہ کیا درخواست گزار طیبہ عنبرین ظلم کی بنیاد پر شادی ختم کرنے کے حکم نامے کا دعویٰ کرنے کی مستحق تھی اور کیا اپیلیٹ فورم نے ظلم کی بنیاد پر نکاح کو ختم کرنے کے بجائے خلع کے ذریعے ختم کر کے ٹھیک فیصلہ کیا؟'

سپریم کورٹ اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ 'بے رحمانہ، ظالمانہ اور جابرانہ طرزِ عمل اور رویے کے باوجود شوہر کی جانب سے ازدواجی حقوق کے دعوے کا واحد اور بنیادی مقصد صرف اور صرف کفالت اور مہر کی رقم کی ادائیگی سے بچنا معلوم ہوتا ہے۔'

'مدعا علیہ کی یہ کوشش اس وقت کامیاب ہوئی جب اپیلیٹ کورٹ نے بیوی کو مہر کی رقم واپس کرنے کی ہدایت کرنے کے ساتھ خلع کے ذریعے شادی ختم کرنے کا فیصلہ جاری کیا۔'

فیصلے میں کہا گیا ہے کہ 'فیملی کورٹ نے واضح اور غیر مبہم انداز میں کہا کہ درخواست گزار خاتون نے کئی واقعات کا حوالہ دے کر شوہر کی جانب سے ان پر کیے جانے والے ظلم کو ثابت کیا جبکہ جرح کے دوران بھی خاتون کی جانب سے پیش کیے گئے شواہد کو جھٹلایا نہیں گیا۔ لہٰذا فیملی کورٹ نے مکمل جانچ پڑتال اور شواہد پر غور کرنے کے بعد ظلم کو بنیاد بناتے ہوئے شادی کو ختم کیا۔'

سپریم کورٹ کے فیصلے میں ان واقعات کا بھی حوالہ دیا کہ فیملی کورٹ کے فیصلے میں کس طرح مختلف حالات و واقعات کی عکاسی کی گئی جو بیوی کے لیے ذہنی اذیت اور تشدد کا باعث بنے جیسا کہ یہ بات کہ شادی کے صرف ایک ہفتے بعد ہی شوہر نے بیوی پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ کرائے پر مکان حاصل کرنے کے لیے رقم کا بندوبست کرے۔

عدالت نے نوٹ کیا کہ 'شوہر اور اس کے خاندان کے افراد نے بھی خاتون پر جھوٹے الزامات لگائے جس میں یہ الزام بھی تھا کہ درخواست گزار کے بطن سے پیدا ہونے والی بچی مدعا علیہ کی بیٹی نہیں اور اس طرح کی الزامات کے باعث درخواست گزار کو شدید ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔'

عدالت نے اپنے فیصلے میں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس کے علاوہ شوہر اور اس کے خاندان کے افراد نے خاتون پر یہ سخت شرط عائد کی کہ وہ اپنی تنخواہ شوہر کے ساتھ جوائنٹ اکاؤنٹ میں جمع کرائے اور ذاتی استعمال کے لیے رقم اس کی اجازت سے لے۔'

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں یہ بھی کہا کہ 'عدالت میں کیس دائر کرنے کے باوجود شوہر کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ اس نے اپنی بیوی کو مزید ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا اور اس پر مزید جھوٹے الزامات لگانا شروع کر دیے۔'

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ 'اپیلیٹ کورٹ نے ثبوتوں پر غور کرنے کے بجائے بغیر کسی وجہ کے قرار دیا کہ جسمانی تکلیف یا ذہنی اذیت کو ظاہر کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیے گئے۔'

(بشکریہ بی بی سی اردو)

لڑکیوں کی تعلیم اور اہمیت

محمد سعید بلوچ

بلاشبہ تعلیم کا انسانی زندگی اور انسانی معاشرے میں ازل سے ایک اہم کردار رہا ہے۔ انسانی معاشرے میں زندگی کے کچھ ایسے تقاضے ہوتے ہیں جن کو بروئے کار لانے میں تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیم سے مراد مختلف اداروں سے انسانی ذہن کی تربیت جو مختلف کتب کے ذریعے ہوتی ہے۔ تعلیم کہلاتی ہے مگر وسیع تر مفہوم میں ہر وہ تربیت جو انسانی رویوں میں تبدیلی کا محرک ہو تعلیم کہلاتی ہے۔ ویسے تو انسان کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے اور اس حوالے سے عورت وہ خوش قسمت ہے جس کی گود انسانوں کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ دنیا کا ہر مذہب و معاشرہ تعلیم کے حوالے سے ہمشہ سنجیدہ رہا ہے کیونکہ تعلیم ہمیں باشعور اور مہذب بناتی ہے۔ دینا کے وہ تمام ممالک جو آج ترقی و کامرانی کی منازل طے کر رہے ہیں تعلیم ہی کی بدولت دنیا میں مانے جاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اقوام کی مجموعی زندگی میں تعلیم کا کردار نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں تہزیب او ر تعلیم ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ ہم ایک ایسے مذہب کے پیروکار ہیں جس میں علم حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض کیا گیا ہے۔ کیونکہ مرد اور عورت دونوں معاشرتی زندگی کے بنیادی ستون تصور کیے جاتے ہیں۔ وہ مذہب جس کی پہلی وحی اقرا سے ہوئی ہے اپنی تعلیمات میں دونوں جنس مرد اور عورت کو تعلیم کے حصول کا حکم دیتا ہے۔ اسلام نے واضح الفاظ میں لڑکیوں کی تعلیم کا حکم دیا ہے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اگر اسلامی احکامات کی روشنی کا بغور جائزہ لیں تو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم اس لیے ضروری ہے کہ آنے والے نسلوں کی تربیت اور پرورش انکی ذمہ داریوں میں آتی ہے۔ اگر آج بیٹی پڑھی لکھی ہوتی ہے تو پھر آنے والی نسلیں بھی پڑھی بھی پڑھی لکھی ہوں گی اور آگر آج کی بیٹی ان پڑھ ہوتی ہے تو غالب گمان ہے کہ انے والی نسل جاہل بن کر سامنے آئے گی جسے 21 ویں صدی میں رہنے والے والے لوگ ہرگز قبول کرنے کو تیار نہ ہوں۔ لڑکیوں کی تعلیم کی آج کے معاشرے میں اہمیت اس لیے مسلمہ ہے کہ 21 ویں صدی علم، آگاہی اور ترقی کی صدی ہے جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ عملی زندگی میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اگر آج لڑکیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں کیا جاتا تو انے والے وقت میں ان کو گھریلو زندگی امور خانہ داری اور آنے والی نسل کی تعلیم تربیت میں کئی مشکلات ا ور مصائب سے دوچار ہوں گی کیونکہ یہ ایک امر واقعی ہے کہ کمیونیکیشن گیپ کے ساتھ ساتھ جنریشن گیپ بھی ایک چیلنج ہوگی جس کے نتائج کسی بھی خاندان یا معاشرے میں رہنے والوں کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ اگر آج لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے تو یقیناً وہ خود باشعور اور مہذب انسان بنیں گی۔ آنے والی نسلوں پر اس کے مثبت اور دور رس نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ آجکل تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں والدین کا خیال رکھتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ آجکل کی بیٹی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہے اور اپنی ذمے داریوں کو احسن طریقے سے نبھا رہی ہے جس لڑکی کو والدین اچھی تعلیم اور اچھی تربیت دیتے ہیں یقیناً اس کا عکسِ اسکی شخصیت اور رویوں میں نظر آتا ہے اور نتیجتاً وہ لڑکی اپنے والدین اور معاشرے کیلئے ایک سودمند فرد ثابت ہو گی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج بھی کچھ والدین اپنی بچیوں کو تعلیم اور تعلیمی اداروں سے دور رکھتے ہیں۔ نہ جانے کتنے والدین ایسے ہوں گے جو اپنی فرسودہ سوچ کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم موجود حالات میں درست نہیں۔ حالانکہ موجود حالات میں لڑکیوں کو تعلیم دی جائے تاکہ وہ موجودہ حالات و زمانے کے نشیب و فراز اور انسانی رویوں کو بہتر انداز میں سمجھ کر زندگی گزار سکیں۔ موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ ہم نہ صرف اپنی بچیوں کو بلکہ قرب جوار میں جو لڑکیاں تعلیم سے دور ہیں ان کو تعلیمی اداروں تک رسائی اور تعلیم کی اہمیت اور افادیت سے اگاہی دیں لڑکیوں کو عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم ضرور دینی چاہیے تاکہ وہ حقوق اور فرائض سے آگاہ ہو کر عملی زندگی میں ایک اچھی بیٹی، بہن، بیوی اور اچھی ماں ثابت ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لڑکیوں کو تعلیم دیکر ہم صنفی امتیاز کے مرتکب نہ ہوں کیونکہ لڑکیوں کی تعلیم ہی سے ایک ترقی یافتہ خاندان، معاشرہ اور ایک ترقی یافتہ ملک ممکن ہوسکتا ہے اس مقصد کے حصول کے لیے تمام فریقین کو اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

ذرائع ابلاغ میں جنس کی بنیاد پر عورتوں کے خلاف تعصّب کا رجحان ہے: خواتین قانون سازوں کو کیسے پیش کیا جاتا ہے

ذرائع ابلاغ رائے عامہ اور بیانیہ بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ خواتین قانون سازوں کو اکثر اوقات اس طرح کے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے اُن کی اصل شناخت کی نفی ہوتی ہے اور وہ پدرسری سماج کی کوئی جنس معلوم ہوتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کو اپنی طاقت کا احساس کرتے ہوئے خواتین قانون سازوں کو مثبت اور تعمیری انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ اس سے سیاست میں پدرسری ڈھانچوں کو توڑنے میں بہت مدد ملے گی۔

پاکستان کی سیاست میں عورتوں کی صورت حال

جنسی مساوات کے میدان میں پاکستان بدترین کارکردگی والے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ خواتین سیاستدانوں کا اکثر مذاق اڑایا جاتا ہے اوُر ان کے ساتھی مردوں کی طرف سے، ذرائع اور سوشل میڈیا میں اُن کے بارے میں جنسی لحاظ سے نارواز بان استعمال کی جاتی ہے۔ سیاسی پلیٹ فارموں پہ محفوظ و باعزت ماحول کی ضرورت ہے تاکہ نوجوان عورتیں سیاست میں شامل ہوں اور اپنی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرسکیں۔

کوٹہ سسٹم کا افسوس ناک پہلو: پاکستان میں خواتین قانون ساز

پارلیمان میں مخصوص نشستوں پر براجمان خواتین قانون سازوں کو اکثر اپنے عہدوں کے لیے غیر مستحق قرار دے کر رد کردیا جاتا ہے۔ نہ صرف دیگر مرد قانون سازوں کی طرف سے بلکہ اُن کے اپنے ہم جماعت مرد قانون سازوں کی جانب سے بھی جو عام نشستوں پر منتخب ہو کر اسمبلی پہنچتے ہیں۔ اس سے خواتین قانون سازوں کے لیے پاکستانی سیاست میں اپنا لوہا منوانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود، مخصوص نشستیں اہم ہیں کیونکہ یہ اُن رکاوٹوں کا کسی حد تک ازالہ کرتی ہیں جو عورتوں کو اپنے حصے کی نمائندگی لینے سے روکتی ہیں۔

پاکستان میں صنفی برابری کے لیے درکار اصلاحات کے ضمن میں ریاست کا کردار

صنفی تفریق کے عالمی گوشوارے 2020 کی رُو سے، 153 ممالک کی فہرست میں پاکستان کا نمبر 151 ہے۔ 2018-2022 کی وفاقی کابینہ میں عورتوں کی انتہائی کم نمائندگی کی بدولت، خواتین قانون سازوں کے لیے پالیسی میں اصلاحات کے لیے مؤثر کردار ادا کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ سماج کے قدامت پرست طبقوں کی طرف سے صنفی لحاظ سے حساس پالیسیوں کے خلاف شدید مزاحمت کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ ریاست اصلاحات پر قانون سازی کر کے صنفی مساوات کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ ابتدائی قدم کے طور پر مرد سیاستدان اپنی ساتھی خواتین سیاستدانوں کو بااختیار بنائیں۔

10 دسمبر انسانی حقوق کا عالمی دن

آصف البشر خان

دنیائے عالم میں انسانی حقوق کے احترام کو ہر بار نئی جہد دینے کے لیے دس دسمبر کی تاریخ رقم کر دی گئی ہے اس دن کی مناسب سے دنیا بھر میں انسانی حقوق کے وقار اور احترام کے فلسفے کو اجاگر کرنے کیلیے فکری نشستوں اور اجتماعات کے علاوہ ذ ذرائع ابلاغ کے ہر ہر شعبے کے ذریعہ اسے عام انسان کی ذہنی تیمارداری کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ دنیا عالم میں انسانی حقوق کی پامالی کو روکا جاسکے۔انسانی حقوق کی تعریف گراں قدر نظریات نے فروغ پایا لیکن ان تمام تر تعریفی نظریات میں جس بیان میں سادہ اور قابل ذکر تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ انسانی حقوق آزادی اور حقوق کا وہ نظریہ ہے جس کے تمام انسان یکساں طور پر حقدار ہیں۔اس نظریہ میں وہ تمام اجزاء شامل ہیں جس کے تحت کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان یکساں طور پر بنیادی سہولیات کے لحاظ سے حقوق کے حقدار ہیں۔انسانی حقوق آزادی کی بنیادی ضرورت اور شرط ہے جن کو قانونی تحفظ حاصل ہیجو ہر انسان کا حق ہے۔یہ ہماری زندگی کیا نفرادی، سیاسی ،شہری، روحانی، سماجی، معاشی اور ثقافتی پہلوؤں کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔انسانی حقوق کے احترام سے ہم اپنی بھرپور صلاحیت پر ترقی کرتے ہیں اور اندورنی اور قوموں کے درمیان امن کی بنیاد رکھتے ہیں۔10 دسمبر 1949ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے توثیق کردہ انسانی حقوق کا آفاقی منشور جسے یونیورسل ڈیکلئیریشن آف ہیومن رائٹس بھی کہا جاتا ہے کی یاد تازہ کرنے اور دنیا کی توجہ اس طرف مبذول کروانے کے لیے دنیا بھر میں یوم انسانی حقوق منایا جاتا ہے۔اسے عالمی سطح پر انسانی حقوق کا پہلا اعلان تعبیر کیا جاتا اور اقوامِ متحدہ کی ابتدائی بڑی کامیابیوں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔یومِ انسانی حقوق کا رسمی تعین 4 دسمبر 1950ء کو جنرل اسمبلی کے 317 ویں اجلاس میں ہوا، جب جنرل اسمبلی نے قرارداد 423(V) پیش کی ،جس کے تحت تمام رکن مما لک اور دل چسپی رکھنے والی دیگر تنظیموں کو یہ دن اپنے اپنے انداز میں منانے کی دعوت دی گئی پاکستان میں اس دن کی مناسبت سے انسانی حقوق کے دفاع کار اس دن میں اپنی سال بھر کی انسانی حقوق کی صورتحال پر نہ صرف جائزہ پیش کرتے ہیں بلکہ نئی جہد کے لیے مزید پرعزم نظر آتے ہیں۔

انسانی حقوق کے محافظوں کا عالمی دن 12 سال پہلے زرطیف خان آفریدی ہم سب کو صدمے میں چھوڑ گئے۔

زرطیف آفریدی بظاہر ایک دہشت گرد تنظیم العزم بریگیڈ نے (شہید) کیا تھا جو خیبر ایجنسی فاٹا میں HRDs، سول سوسائٹی اور سیاسی کارکنوں کے خلاف دہشت گردی کی سرگرمیاں انجام دے رہی تھی۔

یہ ایک بدقسمت صبح تھی کہ مجھے غمگین اور انتہائی افسوسناک خبر ملی کہ زرطیف خان شہید ہو گئے۔یوں ہوا کہ میرے پاؤں کے نیچے کی زمین سرکنے لگی اور میں شدید جھٹکے سے نیچے گر گیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زرطیف خان ایک دن ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔لیکن افسوس! اس نے ہمیں ساری زندگی غم میں چھوڑ دیا۔زرطیف خان آفریدی نہ صرف انسانی حقوق کے محافظ تھے بلکہ وہ ایک استاد اور سرپرست تھے جنہوں نے نہ صرف ضلع خیبر بلکہ پورے فاٹا اور پشتونستان میں انسانی حقوق کا تصور پہنچایا تھا۔

وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہمیں انسانی حقوق اور خاص طور پر صنفی بنیاد پر تشدد اور صنفی مساوات کے بارے میں تعلیم دی۔آج زرطیف خان آفریدی جسمانی طور پر ہم میں نہیں رہے لیکن ان کے ترقی پسند اور انسان دوست افکار ہمیں ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں۔

زرطیف خان آفریدی تم زندہ ہو۔

آپ کے دشمن یعنی ریاستی ایجنسیاں اور ان کے پراکسی کسی نہ کسی نام پر دہشت گردی کرنے والے بالآخر خسارے میں رہیں گے۔تم مر نہیں سکتے۔آپ کے خیالات ہمیشہ کے لیے ہیں۔آپ نے جو پودا لگایا ہے وہ اب بھی موجود ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑا ہوتا جائے گا۔

دوستی نہ رکھنے پر خواجہ سراء قتل

بہاولپور محلّہ اسلام پورہ کے رہائشی ایک 19 سالہ نوجوان شاہ زیب (خواجہ سراء) کو گھر میں گھس کر گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا جس پر فوکس ٹرانس جینڈر کی صدر صاحبہ جہاں نے ضلعی کور گروپ سے رابطہ کیا کہ ایف آئی آر کے اندراج کیلئے ہماری مدد کریں جس پر ڈسٹرکٹ کور گروپ کے تین ساتھیوں پر مشتمل کمیٹی نے متاثرین کے ساتھ ملکر ایف آئی آر کے اندراج اور ملزمان کی گرفتاری کیلئے متعلقہ حکام سے ملے۔تفصیلات کے مطابق مقتول کی والدہ صابرہ بی بی زوجہ عبدالسلام نے بتایا کہ مورخہ 23 دسمبر کو رات کو ان کے دروازے پر دستک ہوئی تو میرا بیٹا شاہ زیب دروازہ کھولنے گیا تو اسی دوران میں بھی پیچھے سے پہنچ گئی اور پوچھا کون ہو؟ آواز آئی دروازہ کھولیں جیسے ہی شاہ زیب نے دروازہ کھولا تو سامنے محمد شعیب ولد محمد حنیف مسلح پسٹل لے کر کھڑا تھا جسکے ہمراہ مبشر ولد محمد شاہد موٹر سائیکل پر موجود تھا۔محمد شعیب نے میرے بیٹے شاہ زیب کو للکارا کہ تمہیں شادی پر ڈانس کرنے کا مزہ چکھاتے ہیں جس پر میرے بیٹے نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر محمد شعیب نے سیدھا فائر کیا جو میرے بیٹے کے سینے پر لگا اور دوسرا فائر ٹانگ پر کیا جس سے میرا بیٹا گر پڑا۔شور کرنے پر محمد اظہر اور محمد احمد موقع پر پہنچ گئے تو ملزمان فرار ہو گئے۔ہم فوری طور پر اپنے بیٹے کو ہسپتال لے گئے۔جہاں پر ڈاکٹرز صاحبان نے تصدیق کی کہ وہ جاں بحق ہو گیا ہے۔صابرہ بی بی نے بتایا کہ محمد شعیب میرے بیٹے سے زبردستی دوستی رکھنا چاہتا تھا اور انکار پر گھر میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا۔میری اپیل ہے کہ مجھے انصاف فراہم کیا جائے۔تھانہ کوتوالی کے ایس ایچ او محمد طیب نے بتایا کہ ملزمان نے بہت بڑا جرم کیا ہے جس کی انہیں قانون کے مطابق سزا ملے گی۔ایس ایچ او نے کہا کہ وہ ملزمان کی گرفتاری کو فوری یقینی بنائیں گے۔ایف آئی آر کے اندراج کے بعد تھانہ کوتوالی کی ٹیم نے محمد اختر اور مبشر کو گرفتار کر لیا ہے۔تفتیشی افسر نے بنایا کہ دوسرے ملزم کو فوری گرفتار کر لیں گے۔خواجہ سراء کمیونٹی لیے لے سرگرم عمل فوکس ٹرانس جینڈر کی صدر صاحبہ جہاں نیکہا کہ معاشرے کی بے رحمی اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم آپ کے بے رحم معاشرے میں بلکل غیر محفوظ ہیں۔اس معصوم عائزہ کو اس لیے گولی مار کر قتل کر دیا کہ وہ ان کی خواہش پوری نہیں کر سکا۔ہم انسان نہیں کیا ہمیں جینے کا حق نہیں کیا وہ کسی ماں کا لال نہیں تھا۔معاشرے کے ایسے ناسور کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے تاکہ پھر کسی ماں کی گود کو نہ اجڑے۔انہوں نے مزید کہا کہ پولیس کو چاہیے محمد شعیب کو فوری گرفتار کرے وہ انتہائی خطرناک ہے، کئی اور تھانوں میں بھی اسکے خلاف ایف آئی آر درج ہیں۔صاحبہ جہاں نے خدشہ کا اظہار کیا کہ سفارش، پیسہ سے ملزم کیس پر اثر انداز ہو گا لہذا انسانی حقوق کی تنظیموں کو ہماری آواز بننا ہوگا تاکہ پولیس پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ ملزم کو فوری ٹریس کریں۔کور گروپ ٹیم میں رانا محبوب علی، شیخ مقبول میں اور وحید الحسن بلوچ شامل تھے۔ (خواجہ اسد اللہ)

شہر قائد پر بدنما داغ، سال 2022 میں 513 خواتین ریپ کا شکار

امتیاز علی

سال 2022 کراچی کے لیے انتہائی دردناک اور لرزہ خیز ثابت ہوا

نوجوانوں کی ہلاکت، عورتوں کے ریپ، معصوم بچوں کے قتل جیسے گھناؤنے جرائم اور واقعات کراچی کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہیں جہاں سال 2022 کے دوران خواتین کے ساتھ واقعات میں اضافہ دیکھا گیا اور 500 سے زائد خواتین اور کم عمر لڑکیوں کو جنسی استحصال کا نشانہ بنایا گیا۔

ڈان اخبار میں شائع رپورٹ کے مطابق جب ملک میں شرم ناک اور انسانیت سوز واقعات کی بات کی جائے تو سال 2022 کراچی کے لیے انتہائی دردناک اور لرزہ خیز ثابت ہوا، گزشتہ 12 ماہ کے دوران 500 سے زائد خواتین اور کم عمر لڑکیوں کو ریپ کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ حیران کُن اعداد و شمار کراچی کے تین بڑے ہسپتالوں کے میڈیکولیگل آفیسرز کی جانب سے مرتب کیے گئے، ان تین ہسپتالوں میں جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سینٹر، ڈاکٹر رُتھ فاؤ سول ہسپتال اور عباسی شہید ہسپتال شامل ہیں۔

پولیس سرجن افسران کی جانب سے مرتب کردہ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں ریپ اور قتل کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، اس کےعلاوہ ڈکیتی کے دوران مزاحمت کرنے پر شہریوں کو قتل کرنے کے واقعات میں بھی کئی گنا اضافہ دیکھنے میں آیا۔

پولیس سرجن ڈاکٹر سُمیہ سید نے ڈان سے بات کرتے ہوئے کہا کہ 513 خواتین کو جنسی استحصال کا نشانہ بنایا گیا جبکہ 3 ہزار 649 خواتین گھریلو تشدد کا نشانہ بنیں ہیں جنہیں طبی معائنے کے لیے ہسپتال لایا گیا تھا۔

ریپ کیسز کے سرکاری اعداد و شمار کا حوالہ دیتے ہوئے وکیل اور انسانی حقوق کی کارکن ملیحہ ضیا لاری کا خیال ہے کہ اصل اعداد و شمار رپورٹ کردہ اعداد و شمار سے زیادہ ہوسکتے ہیں۔

انہوں نے ڈان کو بتایا کہ اچھی بات یہ ہے کہ ریپ کے خلاف بل کے تحت سندھ بھر میں صنفی بنیادوں پر کیے جانے والے تشدد کے مقدمات کی سماعت کے لیے 27 عدالتیں قائم کی جاچکی ہیں۔

ملیحہ ضیا لاری نے مزید بتایا کہ ان کی تنظیم کی جانب سے کیے گئے حالیہ سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ صنفی بنیادوں پر کیے جانے والے تشدد کے مقدمات کی سماعت کے لیے عدالتوں میں سزا کا تناسب 11 فیصد سے زیادہ ہے، اسمیں یہ بھی بتایا گیا کہ سندھ میں صرف 14 فیصد لوگ ان عدالتوں کی کارکردگی سے 'مطمئن' ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ 'اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عدالتوں میں اس طرح کے جرائم کی سزاؤں میں بہتری آرہی ہے لیکن ہمیں احتیاطی تدابیر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے'۔

تقریباً 1300 شہری قتل

پولیس سرجن ڈاکٹر سمعیہ سید نے بتایا کہ ڈکیتی مزاحمت سمیت مختلف واقعات میں تقریباً ایک ہزار 291 افراد قتل ہوئے جنھیں کراچی کے تین بڑے ہسپتالوں میں لایا گیا۔

انہوں نے مزید بتایا کہ اہل خانہ عام طور پر مقتول کا پوسٹ مارٹم کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور قانونی وطبی کارروائی کے بغیر لاش لے جانے کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے پوسٹ مارٹم کی کل تعداد مختلف وجوہات کی بناء پر واقع ہونے والی اموات کے اعداد و شمار 'گمراہ کن' ہیں۔

تین بڑے ہسپتال کی جانب سے جاری اعداد و شمار کا حوالہ دیتے ہوئے پولیس سرجن نے بتایا کہ رواں سال 29 دسمبر تک جناح ہسپتال میں 12 ہزار 511 مختلف طبی وقانونی معائنے کے کیسز رپورٹ ہوئے۔

ان میں سے خواتین کے جنسی استحصال کے 267 کیسز اور ایک ہزار 938 گھریلو تشدد کے کیسز بھی جناح ہسپتال میں رپورٹ ہوئے، اس کے علاوہ 540 لاشوں کو لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال لایا گیا۔

عباسی شہید ہسپتال کے حوالے سے انہوں نے بتایا کہ کُل 10 ہزار 951 میڈیکولیگل کیسز ہسپتال میں رپورٹ ہوئے جنھیں ہسپتال لایا گیا۔

اس کے علاوہ عباسی شہید ہسپتال میں رواں سال 29 دسمبر تک خواتین کے ساتھ جنسی استحصال کے 145 کیسز اور گھریلو تشدد کے ایک ہزار 318 کیسز رپورٹ ہوئے۔

اسی ہسپتال میں مختلف علاقوں سے 554 لاشوں کو لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال لایا گیا۔

دوسری جانب ڈاکٹر رُتھ فاؤ سول ہسپتال کراچی کے حوالے سے انہوں نے بتایا کہ 6 ہزار 787 میڈیکولیگل کیسز رپورٹ ہوئے جن میں سے 101 کیسز خواتین کے ریپ اور 393 کیسز گھریلو تشدد کے واقعات تھے۔

اس کے علاوہ کل 197 لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال لایا گیا جبکہ 10 لاشیں متعلقہ عدالتوں کی ہدایات/حکم پر لائی گئی تھیں۔

ڈاکٹر سمعیہ سید نے مزید بتایا کہ ٹریفک حادثات میں یہ صورتحال بہت عام تھی کہ ورثا ڈاکٹرز کو لاش کا پوسٹ مارٹم یا قانونی تقاضے پورے نہیں کرنے دیتے۔

انہوں نے بتایا کہ 'رواں سال میرے پاس ایسے کئی کیسز آئے جس میں لڑکیاں شادی کے 3 یا 6 ماہ بعد خودکشی کرلیتی ہیں ان میں 8 قتل کے واقعات تھے'۔

ڈاکٹر سمعیہ سید نے کہا ہم اعداد و شمار اکٹھا کرنے کے طریقہ کار کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں تاہم پولیس سرجن آفس کراچی میں ریسرچ ونگ کھولنے کا ارادہ ہے۔

(بشکریہ ڈان)

نابالغ بچی سے زیادتی

سکردو ضلع سکردو کے علاقے روندو طورمک میں 14 سالہ بچی کو ایک شخص نے شادی کا جھانسہ دیکر پہلے خود جنسی تعلقات قائم کیئے۔اس دوران ان لمحات کی وڈیو بنائی اور یوں بار بار معصوم بچی کو اپنی درندگی کا نشانہ بنا تا رہا مبینہ طور پر مرکزی ملزم نے اس کے بعد معصوم بچی کو اپنے دوستوں کے پاس بھیجنا شروع کر دیا اور یوں ظلم وستم کا ایک نیا سلسلہ چل نکلا۔کمسن بچی وڈیو کی وجہ سے مجبور ہوکر ان کے ہاتھوں پامال ہوتی رہی۔ تھانے میں درج کی گئی ایف آئی آر کے مطابق 8 ملزمان نے بچی کو کئی مرتبہ جنسی درندگی کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں کم سن بچی حاملہ ہوگئی ملزمان ویڈیو کے ذریعے بچی کو بلیک میل کرتے رہے اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو ملنے کے بعد انسداد دہشتگردی ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کر کے 8 میں سے چار ملزمان کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

(مظفر حسین)

پولیس نے دھاوا بول کر گھر مسمار کر دیا

خیبر باڑہ خیبر پولیس نے ایف سی آر کی یاد تازہ کر دی۔ہمارے گھر کو بغیر کسی عدالتی احکامات یا نوٹس کے بغیر مسمار کر دیا گیا۔ پولیس ایف آئی آر درج نہیں کر رہی۔ہمیں انصاف دلایا جائے۔ ان خیالات کا اظہار تپہ ایران خیل قوم شلوبر سے تعلق رکھنے عمل گل نے باڑہ پریس کلب میں ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔اس موقع پر ان کے ہمراہ مختیار اور نورمت خان بھی موجود تھے۔عمل گل نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا شال اکبر، رجمات و دیگر کے ساتھ جائیداد کا تنازعہ چلا آ رہا تھا۔قومی جرگہ میں ایک بیٹھک بھی ہوئی تھی لیکن مخالف فریق نے جلد بازی کا مظاہر کر کے پچھلے دنوں ہمارے ساتھ جھگڑا کیا۔بات ہاتھ پائی اور فائرنگ تک جا پہنچی۔جس کے نتیجے میں ایک شخص جاں بحق ہو گیا تھا۔انہوں نے کہا مقامی پولیس ایف آئی آر بھی درج نہیں کرتے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ باڑہ پولیس اہلکاروں نے بغیر کسی عدالتی احکامات کے بغیر ہمارے گھر پر دھاوا بولا اور چار دیواری سمیت کئی کمروں کو مسمار کیا۔انہوں نے کہا کہ جس طرح ظلم پولیس اہلکاروں نے کیا تو اس کی مثال ایف سی آر کے دور میں بھی نہیں ملتی۔انہوں نے کہا ہم ہر وقت اور ہر جگہ بات کرنے کیلئے تیار ہیں۔مزکور جائیداد پر پچھلے 40 برس سے ہم رہائش پذیر ہیں۔انہوں چیف جسٹس پشاور ہائی، وزیر اعلیٰ و گورنر خیبر پختونخوا سمیت دیگر اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے ساتھ کیے گئے ظلم کی باز پرس کی جائے اور ہمیں انصاف فراہم کیا جائے۔

(مسعود شاہ)

پل کی تعمیر طویل تاخیر کا شکار

نوشکی پانچ ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ہنوز پنچرہ پل کی تعمیر کا کام شروع نہیں کیا جا سکا جس کی وجہ سے روزانہ گھنٹوں ٹریفک کی بندش معمول بن چکی ہے سرد موسم اور ویرانے میں ٹریفک کی بندش سے مسافروں خواتین بچوں اور بالخصوص مریضوں کو انتہائی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے نیشنل ہائی وے اتھارٹی کی بلوچستان میں عدم توجہی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے شاہراہِ کی زبوں حالی کی وجہ سے مسافروں کو مشکلات اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے بلوچستان میں صحت کی سہولیات کا فقدان ہے سبی اور نصیر آباد ڈویژن کچھی اور گنداواہ اضلاع کے لاکھوں باشندوں کو علاج معالجے کے لیے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ جانا پڑتا ہے راستہ خراب ہونے کی وجہ سے اکثر ایمرجنسی مریض اور زخمی بروقت علاج معالجے کی سہولیات کی عدم فراہمی سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ مزکورہ ڈویژنل اور ضلعی ہیڈ کوارٹر میں عوام کو صحت کی فراہمی کے لیے سہولیات کی عدم فراہمی کی وجہ سے ایمرجنسی صورت میں کوئٹہ کا طواف کرنا پڑتا ہے دوسری جانب ٹرانسپورٹروں کو مالی مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا نیشنل ہائی وے اتھارٹی اتھارٹی کے ساتھ بلوچستان میں ریلوے حکام کی عدم توجہی بھی باعث تشویش ہے پانچ ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ہر یک ریلوے پل کی تعمیر کا منصوبہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے جو ریلوے کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے اور اس طرح بلوچستان کا پانچ ماہ سے ریلوے کا رابطہ سندھ پنجاب اور خیبر پختونخوا سے منقطع ہے پانچ ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ہر ک پل کی تعمیر عمل میں نہیں لائی جا سکی چار ماہ بعد بھی کوئٹہ سے کوسٹر کے ذریعے 60 کلومیٹر مچ لایا جاتا ہے جو باعث ندامت اور متعلقہ ادارے کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔ بلوچستان میں پانچ میں ایک پل کی عدم بحالی باعث تشویش ہے جبکہ لاہور میں میٹرو بس سروس کے لیے 27 کلومیٹر سڑک نو ماہ کے قلیل عرصے میں مکمل ہو سکتی ہے اور بلوچستان میں ایک پل کی تعمیر کیوں نہیں ہو سکتی۔میاں شہباز شریف اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور اب میاں شہباز شریف پاکستان کے وزیر اعظم ہے۔ روزانہ ٹریفک معطل ہونے کی وجہ سے عوام تاجر برادری کو مالی مصائب وقت کے ضیاع اور دیگر کئی مشکلات سے دوچار کر دیا ہے بلوچستان میں ترقیاتی منصوبے ہمیشہ تاخیر سے پایہ تکمیل تک پہنچنے کی روایات برقرار ہے جسکی ایک وجہ وفاقی حکومت کے عدم توجہی اور دوسری جانب بلوچستان کے نمائندوں کی عدم دلچسپی ہے۔وزیر اعظم پاکستان میاں شہباز شریف نے سیلاب کے دنوں میں بولان کے دورے کے موقع پر متاثرہ شاہراہ اور پنچرہ پل کا وزٹ کیا تھا اور متعلقہ حکام کو شاہراہِ کی بہتری اور پنچرہ پل کی فوری طور پر دوبارہ تعمیر کے احکامات بھی دیئے تھے لیکن پانچ ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی چند میٹر پل کی تعمیر ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔

(محمد سعید بلوچ)

خاتون کا قتل

سانگھڑ سانگھڑ کے نواحی علاقہ سنجھورو تھانہ کی حدود میں واقع ڈپٹی گوٹھ میں ہندو کمیونٹی سے تعلق رکھنے والی 45 سالہ عورت کے قتل کا تسویش ناک واقعہ پیش آیا ہے۔قاتل نے ڈپٹی گوٹھ کے قریب سرسوں کے کھیت سے ملنے والی نعش کا بے رحمی سے نہ صرف گلا کاٹ کر الگ کر دیا بلکہ نعش کے پیتانوں کو بھی کاٹ ڈالا جبکہ سر کی کھال بھی ادھیڑ کر پھینک دی۔مقتولہ کو دیا بھیل کے نام سے شناخت کیا گیا اور ڈپٹی گوٹھ کی رہائشی بتائی جا رہی ہے۔اس لرزہ خیز قتل کی واردات کی اطلاع پر وفاقی وزیر خارجہ بلاول بھٹو زرداری، وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ، آئی جی سندھ نے سخت نوٹس لیتے ہوئے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا حکم صادر کیا ہے جس پر ڈی آئی جی شہید بینظیر آباد یونس چانڈیو نے سنجھورو پہنچ کر صورتحال کا جائزہ لیا اور ایک قابل تفتیشی ٹیم تشکیل دی۔انسانی حقوق کے کارکن رمیش کمار راٹھور کا کہنا ہے کہ شریمتی دیا بھیل کے قتل کے ہندو برادری کے تحفظات کے خدشات کو مزید تقویت مل رہی ہے۔ان کا کہنا ہے۔کہ اس طرح کے لرزہ خیز واقعات سے انسانیت کی تمام حدیں پار ہو رہی ہیں اور ایسی لرزہ خیز واردات میں ملوث عناصر کو ڈھیل دی جا رہی ہے۔پولیس کے مطابق مقتولہ کے ڈی این اے کے نمونے حاصل کر لیے گئے ہیں اور جیو فینسنگ رپورٹ بھی کرائی گئی ہے۔مقتولہ دیا بھیل کی عمر 45 برس اور بیوہ بتائی گئی ہے جس کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔

(آصف البشر خان)

آٹے کا شدید بحران

چمن چمن سمیت میں آٹے کے بحران میں فلور ملز مالکان کا ملوث ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ چمن گندم کوٹہ غائب کیا جاتا ہے حکومت کی جانب سے 100 کلو بوری 6800 روپے میں دی جاتی ہے اور فلور ملز مالکان وہی آٹا بازار میں مہنگے داموں فروخت کر رہے ہیں جس میں حکومتی ذمہ داران بھی شامل ہیں۔ اختر گلفام نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ڈسٹرکٹ کو آرڈینیٹر کو بتایا کہ اس وقت چمن اور صوبے کے دیگر علاقوں میں جو آٹے کا بحران ہے وہ فلور ملز مالکان نے ایک طرف مصنوعی طور پر پید اکر کے حکومت کی جانب سے کم قیمت پر ملنے والی آٹا بازار میں سرعام بڑے داموں فروخت کیا جا رہا ہے یعنی فلور ملز مالکان کو سو کلو آٹا 6800 روپے میں ملتی ہے اور روزانہ کی بنیاد پر ہر فلور ملز کو سو بوری دی جاتی ہے یہی فلور ملز سوری بوری میں تیس بوری کو بازار میں فروخت کرتے ہیں۔ اور 70 بوری اس میں بھی مختلف کمیشن وٹیکس لگا کر مہنگا فروخت کرتے ہیں ذرائع نے یہ بھی بتایا کہ فلور مالکان فی بوری میں محکمہ خوراک کے اعلیٰ حکام کو سات سے آٹھ سو روپے کمیشن دیتے ہیں ساتھ میں کارڈ بھی دیا جاتا ہے۔ بلوچستان حکومت آٹے کی انتہائی مہنگائی پر خاموش ہے آٹے کی 50 کلو تھیلہ 6000 میں فروخت ہو رہی ہے جو ایک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہے غریب تو آٹے کی 50 کلو تھیلہ خریدنے کا سوچ نہیں سکتے آٹے کی قیمت میں اضافہ تاجران اور پنجاب سے لے کر بلوچستان کے حدود میں داخل ہونے تک پنجاب پولیس اور کے پی کے پولیس سرعام 50 ہزار سے 80 ہزار تک ایک ٹرک پر بھتہ لیتے ہیں یہ پیسہ بھی عوام کے جیب سے پورا کیا جاتا ہیں۔ چمن سمیت صوبے میں آٹے کے بحران میں فلور ملز مالکان کا ملوث ہونے کا انکشاف' چمن گندم کا کوٹہ کئی عرصے سے غائب کیا جاتا ہے اور پشین کے فلور ملز پر فروخت کیا جاتا ہیں۔ لوگوں کو فاقہ کشی پر مجبور کرنے میں صوبائی حکومت خود ملوث ہے۔ آٹے کا 50 کلو تھیلہ 6000 میں فروخت ہو رہا ہے جو عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہے۔ حکومت نوٹس لیں۔

(محمد صدیق)

بڑھتی ہوئی بدامنی کے خلاف احتجاج

پاراچنار پاراچنار میں مختلف سیاسی اور مذہبی تنظیموں کے رہنماؤں نے احتجاجی مظاہرہ کیا اور پاڑاچمکنی میں فائر بندی سمیت قیام امن کے لیے اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ ضلع کرم کے علاقہ گنداو اور بغکی قبائل کے مابین معدنیات نکالنے کے مسئلے پر تین روز سے جھڑپیں رکھوانے کے لیے پاراچنار میں سیاسی وسماجی اور مذہبی تنظیموں اور کونسلرز اتحاد کے احتجاجی مظاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے سیاسی رہنما میر افضل خان طوری چیرمین ہدایت حسین کونسلر سید شاہ، سید معین، کونسلر جمیل حسین، کونسلر خورشید، کونسلر علی جنان اور دیگر رہنماؤں نے کہا کہ معمولی باتوں پر لوگ پورے علاقے کے امن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ افسوس ناک ہیں ضلعی انتظامیہ پولیس اور دیگر ادارے قیام امن کے لیے اقدامات اٹھائیں اور معمولی باتوں کو مذہبی رنگ دینے والوں کے خلاف کاروائی کی جائے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ اس قسم کے واقعات سے قیمتی جانوں کا ضیاع ہو رہا ہے۔

(منظور قادر)

گرجا گھر کی تعمیر کے خلاف احتجاج

خیبر خیبر کے تھانہ پشتخرہ علاقہ سکندر خان گڑھی اور شہید آباد کے درمیان 60 مرلے زمین پر گرجا گھر بننے کے منصوبے کے خلاف بعض مقامی مذہبی رہنماؤں اور دیگر لوگوں نے احتجاج کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے کہا وہ گرجا کی تعمیر کے خلاف عمر گل روڈ اور باڑہ روڈ پر احتجاج کریں گے۔ عبدالناصر ایڈووکیٹ نے بتایا کہ 'یہاں مسیحوں کے پندرہ بیس گھرانے آباد ہیں لیکن اکثریت مسلمانوں کی ہے وران کے یہاں گرجا گھر بننے سے ہمارے لوگوں پر اثرات مرتب ہوں گے' جبکہ مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے راحت مسیح اور پرویز اقبال مسیح نے رابطہ کرنے پر بتایا کہ انہیں اس بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

(نور حلیم)

صحافی کا بھوک ہڑتالی کیمپ لگانے کا فیصلہ

وانا جنوبی وزیرستان کے سب ڈویژن وانا سے تعلق رکھنے والے نیم معذور سینئر صحافی انور شاکر وزیر نے چچازاد بھائیوں سے آبائی جائیداد میں حصہ نہ ملنے کیخلاف وانا ایف سی کیمپ کے سامنے بھوک ہڑتالی کیمپ لگانے کی دھمکی دی ہے۔ انور شاکر نے کہا کہ ان کے مخالفین اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں اور نہ صرف انہیں اپنی آبائی جائیداد میں حصے سے محروم کر رکھا ہے بلکہ ان کیخلاف اثر ورسوخ استعمال کر کے پولیس تھانوں میں جھوٹی اور من گھڑت مقدمے درج کرواتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ جسمانی طور پر نیم معذور ہے اور ہائی بلڈ پریشر، دمہ، مرض قلب، شوگر اور اینکل سپرین انجری جیسی بیماریوں کا شکار ہے، اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے مخصوص عناصر انہیں مبینہ طور پر راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں تاکہ کروڑوں کی جائیداد ہڑپ کرسکیں۔ انور شاکر کا کہنا ہے کہ انہوں نے 10 رکنی قبائلی چیف ملکان (جو ہمارے درمیان نہایت مناسب تحریری معاہدہ کرا چکے ہیں) اسے جائز وممکن تعاون کی درخواست ہے۔ مقامی انتظامیہ، پولیس اور دوسرے مقتدرہ محکمے مجھے تحفظ اور اپنا حق دلوانے میں ناکام رہے ہیں۔ ملک بھر کی صحافتی تنظیمیں اور صحافی ہر ممکن وجائز تعان فرما کر اپنی برادری کے رکن کی مشکل گھڑی میں اس کا ساتھ دیں۔

(ارشاد محسود)

ایک ماہ سے نادرا آفس چمن بند

چمن بلوچستان کے دوسرا بڑا تجارتی شہر چمن میں سات لاکھ نفوس سے زائد لوگ آباد ہیں۔ شہر چمن میں صرف ایک نادرا آفس ہے۔ جسمیں معمولی بات پر نادرا آفس مہینوں تک بند رہتے ہیں جو انسانی حقوق کے سنگین خلاف ورزی ہے۔ گزشتہ ایک ماہ سے معمولی ہاتھا پائی لڑائی پر چمن نادرا آفس تا حال بند ہے۔ شہریوں نے کئی احتجاج بھی کیئے لیکن کوئی شنوائی نہیں ہو رہی۔ ایک شہری محمد طاہر اچکزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ڈسٹرکٹ کو آرڈینیٹر کو بتایا کہ چمن میں نادرا آفس کی کارکردگی زیرو ہے۔ رشوت کے بازار گرم ہے۔ نادرا اہلکاروں کی رویہ عوام کیساتھ غیر انسانی ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر اوقات بات لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں۔ معمولی ہاتھا پائی پر نادرا آفس بند کرتے ہیں۔ اہلیان چمن نے کئی بار اعلیٰ حکام نادرا سے اپیل کی کہ چمن شہر میں آبادی زیادہ ہیں تین مزید نادرا برانچز کھول دئے جائیں۔ اور موجودہ نادرا آفس میں بااخلاق عملہ کیساتھ سیکورٹی کی بندوبست کیا جائے۔ نادرا آفس کو بند کرنا مظلوم عوام کیساتھ ناانصافی ہے۔ چمن نادرا آفس کو جلد از جلد کھولا جائے۔

(محمد صدیق)

نوجوان کی تشدد شدہ لاش برآمد

میانوالی تفصیلات کے مطابق آج صبح مجاہد ٹاون میانوالی سٹی کے قبرستان سے جس نوجوان کی لاش برآمد ہوئی تھے اس کی شناخت رحمت اللہ پائی خیل کے نام سے ہوئی ھے مقتول بہن کے گھر ملنے کیلئے آیا ہوا تھا نامعلوم افراد نے تشدد سے قتل کر کے لاش قیریبی قبرستان مین پھنیک دی پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔

(محمد رفیق)

نوجوانان قبائل اور مزدوروں کا احتجاج

خیبر خیبر پاک افغان طورخم بارڈر پر نوجوانان قبائل اور مزدوروں کا پاک افغان طورخم بارڈر پر دونوں ممالک کے مزدوروں کے ساتھ سخت برتاؤ اور مزدوروں پر آئے روز بے بجا سختیوں کے خلاف احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ احتجاجی مظاہرین نے مزدوروں کے حق میں نعرہ بازی کی اور دونوں حکومتوں سے مزدور کی حال پر رحم کرنے کا مطالبہ کیا مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے نوجوانان قبائل کے سابق صدر اسرار احمد شنواری، حضرت سلام، فرمان شینواری، منصور علی شینواری ودیگر نے کہا کہ لنڈی کوتل کے ہزاروں خاندان کا ذریعہ معاش طورخم بارڈر ہے جہاں پر غریب مزدور دو وقت کے حلال روزی کماتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مزدور طبقہ انتہائی سخت و مشکل کے دور سے گزر رہے ہیں اس لئے دونوں ممالک کے حکام طورخم بارڈر مزدوروں کو روزگار کے مواقع فراہم کریں تاکہ ان کی مشکلات میں کمی آجائے اور اپنے بچوں کے لئے حلال روزی کما سکیں۔

(منظور قادر)

بڑھتی ہوئی بدامنی کے خلاف احتجاج

پاراچنار پاراچنار میں مختلف سیاسی اور مذہبی تنظیموں کے رہنماؤں نے احتجاجی مظاہرہ کیا اور پاڑا چمکنی میں فائر بندی سمیت قیام امن کے لیے اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ ضلع کرم کے علاقہ گنداوا اور بنگش قبائل کے مابین معدنیات نکالنے کے مسئلے پر تین روز سے جھڑپیں رکھوانے کے لیے پاراچنار میں سیاسی وسماجی اور مذہبی تنظیموں اور کونسلرز اتحاد کے احتجاجی مظاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے سیاسی رہنما میر افضل خان طوری چیرمین ہدایت حسین کونسلر سید شاہ، سید معین، کونسلر جمیل حسین، کونسلر خورشید، کونسلر علی جنان اور دیگر رہنماؤں نے کہا کہ معمولی باتوں پر لوگ پورے علاقے کے امن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ افسوس ناک ہیں ضلعی انتظامیہ پولیس اور دیگر ادارے قیام امن کے لیے اقدامات اٹھائیں اور معمولی باتوں کو مذہبی رنگ دینے والوں کے خلاف کاروائی کی جائے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ اس قسم کے واقعات سے قیمتی جانوں کا ضیاع ہو رہا ہے۔

(منظور قادر)

چھوٹی عمر کی دلہن

عمرکوٹ 05 دسمبر کو ویمن پولیس نے خفیہ اطلاع ملنے پر عمرکوٹ کے علاقے رحیم کالونی میں چھاپہ مار کر چھوٹی عمر کی 9 سالہ معصومہ دلہن عروسہ کی 23 سالہ نوجوان دولہے رحمت اللہ کے ساتھ نکاح پڑھانے والے محمد حنیف سمیت دولہن کی والدہ سمیرا کو حراست میں لے کر تھانے منتقل کر دیا۔ واقعے کے متعلق رابطہ کرنے پر ایس ایچ او نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ پولیس نے خفیہ اطلاع ملنے پر چھاپہ مار کر نابالغ عمر کی شادی رکوائی اور سرکاری مدعیت میں دولہا، نکاح خواہ، دولہے کے والد، دولہے کے بھائی خدابخش، شادی کرانے والے ایجنٹ وزیر ڈاہری، دولہن کی سوتیلی ماں اور دولہن کے والد سمیت 7 ملزمان کے خلاف چائلڈ میرج کے خلاف مقدمہ وویمن پولیس تھانہ عمرکوٹ میں درج کروادیا اور چار ملزمان کو حراست میں لے کر عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے بچی کی سوتیلی ماں سمیرا شاہ کو لیڈیز جیل حیدرآباد جبکہ دولہے رحمت اللہ سانند، نکاح خواہ مولوی محمد حنیف اور دولہے کے بھائی کو سب جیل عمرکوٹ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔

(اوکھو منروپ)

میناجوگی کی بازیابی کے لیے احتجاج

عمرکوٹ کنری شہر میں سے مبینہ طور پر اغواء ہونے والی آٹھ سالہ بچی میناجوگی کی بازیابی کے لیے بچی کے ورثاء اور مختلف تنظیموں کے کارکنوں نے 04 دسمبر کو کنری شہر میں امریکن چوک سے ریلی نکال کر اللہ والا چوک پر مرلیاں بجا کر انوکھا احتجاج کیا گیا۔ مغویہ بچی کے معذور باپ نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بچی کو اغواء ہوئے 12 روز ہوگئے ہیں۔ انہوں نے اغواء کے شک کا مقدمہ بھی درج کروایا ہے۔ لیکن کنری پولیس نے تاحال کوئی پیش رفت نہیں کی۔ ہم دونوں میاں بیوی معذور ہیں اور خیرات مانگ کر گزارہ کرتے ہیں۔ ان کی اعلی حکام سے اپیل ہے کہ بچی کو جلد از جلد بازیاب کرایا جائے۔

(اوکھو منروپ)

کمسن بچی کی نعش برآمد

اوکاڑہ تفصیلات کے مطابق بصیر پور کے نواحی موضع طاہر کلاں کی چار سالہ آصفہ دو دن سے لاپتہ تھی جس کی سوشل میڈیا پر گمشدگی کی پوسٹیں اور خبریں بھی لگیں لیکن وہ لواحقین کی انتھک کوششوں کے باوجود نہ مل سکی۔ آج دو دن بعد آصفہ کی لاش اس کے گھر کے سامنے واقع گندگی کے ڈھیر پر پائی گئی ہے جس پر علاقہ مکینوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ڈی پی او اوکاڑہ بھاری نفری کے ہمراہ جائے وقوع پر پہنچ گئے۔ بصیر پور پولیس نے لاش تحویل میں لے کر مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ تحقیقات کے دوران معلوم ہوا کہ بچی کو مبینہ طور پر اس کے والدین نے قتل کیا تھا۔ بچی معذوریوں سے متاثر تھی اور اطلاعات کے مطابق، اس کے والدین نے دوران حراست اعتراف کیا کہ وہ اسے قتل کر کے اپنے خاندان کی ایک عورت پر الزام عائد کر کے اسے قتل کے مقدمے میں پھنسوانا چاہتے تھے۔

(اصغر حسین حماد)

انتظامیہ کی طرف سے چھاپے

عمرکوٹ 19 دسمبر کو تحصیل پتھورو کے علاقے شادی پلی میں اسسٹنٹ کمشنر رجب علی نے پولیس کے ہمراہ آٹے کی چکیوں کی دکانوں پر چھاپے مار کر روزانہ خورد و نوش چیزوں کے نرخ معلوم کیے۔ زیادہ دام لینے والے دکانداروں پر جرمانہ ڈال کر وصولی بھی کی گئی۔ اس کے علاوہ میڈیکل اسٹوروں کے لائسنس اور ادویات بھی اٹھالیں۔ اس موقع پر عملداروں نے دکانداروں اور دیگر کو ہدایت کی کہ سرکاری مقررہ نرخ پر چیزیں فروخت کی جائیں۔ دوسری صورت میں قانون کے مطابق سخت کارروائی کی جائے گی۔

(اوکھو منروپ)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:							
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال				مہینہ		تاریخ

3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں
5-وقوعہ کیسے ہوا؟(مختصر تفصیل)		
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اوراس کی مختصر تفصیل		

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر(تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دارفرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اورولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اورولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کرکے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan
جہدِ حق

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتا غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاك، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

سرورق ڈیزائنر: زہرہ عامر
کمپوزر: جمال احمد، سید رضا شاہ